ماہنامہ

اشراق

لاہور

ستمبر ۲۰۲۳ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”علما کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بات کو گہرائی میں اتر کر سمجھتے ہیں، اُن کی نگاہ ہمیشہ اصل حقیقت پر رہتی ہے، وہ کبھی کٹ حجتی کرنے اور غیر متعلق موشگافیوں میں پڑنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ الفاظ کے پیچوں میں نہیں الجھتے، ہمیشہ معانی و مفاہیم کی جستجو کرتے ہیں، وہ چیزوں کو ظاہر کے اعتبار سے نہیں، اُن کے باطن کے اعتبار سے دیکھتے ہیں اور سطح سے نیچے اتر کر قعر دریا میں پڑے ہوئے موتی نکال لاتے ہیں، وہ اِس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ سچائی کو جان لینے کے بعد کوئی شخص اپنے کو اُس سے غیر متعلق بھی رکھ سکتا ہے۔“

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد
ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۳۵ شمارہ ۹ ستمبر ۲۰۲۳ء صفر المظفر ۱۴۴۵ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زر تعاون بذریعہ منی آرڈر)
بیرون ملک
سالانہ 50 ڈالر

فہرست

شذرات
عباداتاور تزکیۂ نفس (۲) — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات
البیان: فاطر ۳۵: ۱۹-۴۵ (۲) — جاوید احمد غامدی — ۱۰

معارف نبوی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حلف الفضول میں شرکت — جاوید احمد غامدی/ محمد رفیع مفتی/ محسن ممتاز — ۲۱

مقالات
قرآن مجید میں اختلاط مرد وزن کے احکام (۱) — ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر — ۲۸

سیر و سوانح
مہاجرین حبشہ (۲۳) — محمد وسیم اختر مفتی — ۴۲

اصلاح و دعوت
'ابلۂ مسجد' اور 'تہذیب کا فرزند' — محمد ذکوان ندوی — ۵۶
تربیت اولاد کے سلسلے میں دو اہم تنبیہات — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۵۹
مذہبی حساسیت — خورشید احمد ندیم — ۶۲

وفیات
عابد خستہ جاں — ساجد حمید — ۶۶

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سید منظور الحسن

عبادات اور تزکیۂ نفس

(۲)

روزہ ضبطِ نفس کی خاص عبادت ہے۔ یہ اطاعتِ الٰہی کا مظہر ہے۔اِس میں انسان اللہ کے حکم کی تعمیل میں جائز چیزوں کو بھی اپنے لیے ممنوع کر لیتا ہے۔ روزے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ تقویٰ اختیار کریں۔ ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ.(البقرہ۲:۱۸۳)

''ایمان والو، تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔''

روزے کا مقصد بیان کرنے کے لیے یہاں 'لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یعنی تمھارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ضابطوں کا پابند بنائے اور اللہ کے مقرر کردہ حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے زندگی بسر کرے۔ ہر دم ڈرتا رہے کہ اِن حدود کو توڑنے کے نتیجے میں وہ اللہ کی سزا کا مستحق ہو سکتا ہے اور اُس جنت سے محروم ہو سکتا ہے، جو اللہ نے حدود آشنا نفوس کے لیے بنائی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اُس کی جنت کے وارث وہی لوگ ہیں، جو متقی ہیں۔ ارشاد ہے:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا.(مریم۱۹:۶۳)

''یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اُن کو بنائیں گے جو خدا سے ڈرنے والے ہوں گے۔''

دوسرے مقامات سے واضح ہے کہ جنت کا یہی صلہ اُن لوگوں کے لیے بھی ہے، جو تزکیہ اختیار کریں گے۔ ارشاد ہے:

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰی. (طٰہٰ ۲۰: ۷۶)

”ہمیشہ رہنے والے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اور یہ صلہ ہے اُن کا جو پاکیزگی اختیار کریں۔“

اِس کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ اور تزکیہ کا ایک ہی ہدف اور ایک ہی منزل ہے اور وہ منزل جنت ہے۔ تقویٰ اختیار کرنے سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے، جس کا صلہ جنت ہے اور تزکیہ حاصل کرنے کے لیے تقوے کو اختیار کرنا پڑتا ہے، جس کا آخر الامر انجام جنت کی بادشاہی ہے۔

اِس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ روزہ بھی تزکیے کی اُسی منزل تک پہنچاتا ہے، جہاں دیگر عبادات پہنچاتی ہیں۔

روزے سے یہ تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ استاذِ گرامی کے نزدیک اِس کو سمجھنے کے لیے تین باتیں پیش نظر رہنی چاہییں:

”پہلی یہ کہ روزہ اِس احساس کو آدمی کے ذہن میں پوری قوت کے ساتھ بیدار کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ نفس کے چند بنیادی مطالبات پر حرمت کا قفل لگتے ہی یہ احساس بندگی پیدا ہونا شروع ہوتا اور پھر بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ روزہ کھولنے کے وقت تک یہ اُس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔ فجر سے مغرب تک کھانے کا ایک نوالہ اور پانی کا ایک قطرہ بھی روزے دار کے حلق سے نہیں گزرتا اور وہ اِن چیزوں کے لیے نفس کے ہر مطالبے کو محض اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں پورا کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ روزے کا یہ عمل جب بار بار دہرایا جاتا ہے تو یہ حقیقت روزے دار کے نہاں خانۂ وجود میں اتر جاتی، بلکہ اُس کی جبلت میں پیوست ہو جاتی ہے کہ وہ ایک پروردگار کا بندہ ہے اور اُس کے لیے زیبا یہی ہے کہ زندگی کے باقی معاملات میں بھی تسلیم واعتراف کے ساتھ وہ اپنے مالک کی فرماں روائی کے سامنے سپر ڈال دے اور خیال و عمل، دونوں میں اپنی آزادی اور خود مختاری کے ادعا سے دست بردار ہو جائے۔ اِس سے، ظاہر ہے کہ خدا پر آدمی کا ایمان ہر لحاظ سے زندہ ایمان بن جاتا ہے، جس کے بعد وہ محض ایک خدا کو نہیں، بلکہ ایک ایسی سمیع و بصیر، علیم و حکیم اور قائم بالقسط ہستی کو مانتا ہے جو اُس کے تمام کھلے اور چھپے سے واقف ہے اور جس کی اطاعت سے وہ کسی حال میں انحراف نہیں کر سکتا۔ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے سب سے مقدم چیز یہی ہے۔

دوسری یہ کہ روزہ اِس احساس کو بھی دل کے اعماق اور روح کی گہرائیوں میں اتار دیتا ہے کہ آدمی کو ایک دن اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی کے لیے پیش ہونا ہے۔ ماننے کو تو یہ بات ہر مسلمان مانتا ہے، لیکن روزے میں جب پیاس تنگ کرتی، بھوک ستاتی اور جنسی جذبات پوری قوت کے ساتھ اپنی تسکین کا تقاضا کرتے ہیں تو ہر شخص جانتا ہے کہ تنہا یہی احساس جواب دہی ہے جو آدمی کو بطن و فرج کے اِن مطالبات کو پورا کرنے سے روک دیتا ہے۔ رمضان کا پورا مہینا ہر روز گھنٹوں وہ نفس کے اِن بنیادی تقاضوں پر محض اِس لیے پہرا لگائے رکھتا ہے کہ اُسے ایک دن اپنے مالک کو منہ دکھانا ہے۔ یہاں تک کہ سخت گرمی کی حالت میں حلق پیاس سے چٹختا ہے، برفاب سامنے ہوتا ہے، وہ چاہے تو آسانی سے پی سکتا ہے، مگر نہیں پیتا؛ بھوک کے مارے جان نکل رہی ہوتی ہے، کھانا موجود ہوتا ہے، مگر نہیں کھاتا؛ میاں بیوی جوان ہیں، تنہائی میسر ہے، چاہیں تو اپنی خواہش پوری کر سکتے ہیں، مگر نہیں کرتے۔ یہ ریاضت کوئی معمولی ریاضت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جواب دہی کا احساس اِس سے دل و دماغ میں پوری طرح راسخ ہو جاتا ہے۔ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے، اگر غور کیجیے تو دوسری موثر ترین چیز یہی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تیسری یہ کہ تقویٰ کے لیے صبر ضروری ہے، اور روزہ انسان کو صبر کی تربیت دیتا ہے۔ بلکہ صبر کی تربیت کے لیے اِس سے بہتر اور اِس سے زیادہ موثر کوئی دوسرا طریقہ شاید نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہم جس امتحان سے دوچار ہیں، اُس کی حقیقت اِس کے سوا کیا ہے کہ ایک طرف ہمارے حیوانی وجود کی منہ زور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم اُس کے حدود میں رہ کر زندگی بسر کریں؟ یہ چیز قدم قدم پر صبر کا تقاضا کرتی ہے۔ سچائی، دیانت، تحمل، بردباری، عہد کی پابندی، عدل و انصاف، عفو و درگذر، منکرات سے گریز، فواحش سے اجتناب اور حق پر استقامت کے اوصاف نہ ہوں تو تقویٰ کے کوئی معنی نہیں ہیں، اور صبر کے بغیر یہ اوصاف، ظاہر ہے کہ آدمی میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتے۔‘‘(میزان ۳۶۳-۳۶۴)

حج و عمرہ کی عبادات ابلیس سے برسرِ جنگ ہونے اور اِس جنگ میں کامیابی کے حصول کا علامتی اظہار ہیں۔ انسان کو دنیوی زندگی میں یہ آزمایش درپیش ہے کہ ابلیس اور اُس کی ذریت پورے لاؤ لشکر کے ساتھ اُسے صراط مستقیم سے بھٹکانے کے لیے سرگرم ہے۔ اُن کا منصوبہ یہ ہے کہ انسانوں کو جنت کی ابدی بادشاہی سے محروم کیا جائے۔ استاذِ گرامی لکھتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آدم کی تخلیق سے اُس کی جو اسکیم دنیا میں برپا ہوئی ہے، ابلیس نے پہلے دن ہی سے اُس کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے: ’قَالَ: فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ، وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ، وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ‘ (بولا: پھر اِس لیے کہ تو نے مجھے گم راہی میں ڈالا ہے، اب میں بھی اولاد آدم کے لیے ضرور تیری سیدھی راہ پر گھات میں بیٹھوں گا۔ پھر اِن کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے ضرور اِن پر تاخت کروں گا اور تو اِن میں سے اکثر کو اپنا شکرگزار نہ پائے گا)۔ قرآن کا بیان ہے کہ ابلیس کا یہ چیلنج قبول کر لیا گیا ہے اور اللہ کے بندے اب قیامت تک کے لیے اپنے اِس ازلی دشمن اور اِس کی ذریت کے ساتھ برسر جنگ ہیں۔ یہی اِس دنیا کی آزمایش ہے جس میں کامیابی اور ناکامی پر ہمارے ابدی مستقبل کا انحصار ہے۔‘‘

(میزان ۳۷۳)

شیطان کا انسان کو گم راہ کرنے کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے کہ وہ اُسے بے حیائی اور برائی کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان جب اِن میں ملوث ہوتے ہیں تو اُن کا وجود اور ان کا نفس ان آلایشوں سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ اِس کے برعکس اگر وہ شیطان کی ترغیبات کو رد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو برائیوں سے بچا لیتے ہیں تو اُن کے نفس کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ شیطان بے حیائی اور برائی کی ترغیب دیتا ہے، اِس لیے اللہ نے اُس کے نقشِ قدم پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ ؕ وَمَنۡ يَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ.

(النور ۲۴: ۲۱)

’’ایمان والو، شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو اور (یاد رکھو کہ) جو شیطان کے نقش قدم پر چلے گا، وہ اپنے ہی کو برباد کرے گا، اِس لیے کہ وہ تو بے حیائی اور برائی ہی کا راستہ سجھاتا ہے۔‘‘

قربانی نماز اور زکوٰۃ کی طرح اللہ کی پرستش کا اظہار ہے۔ اِس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری ہے۔ اِس کے نتیجے میں انسان کے اندر تقوے کی نشو و نما ہوتی ہے، جو اللہ کی خوش نودی کا باعث بنتی ہے۔ قربانی کے گوشت کے حوالے سے اللہ کا ارشاد ہے:

لَنۡ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ.

(الحج ۲۲: ۳۷)

’’اللہ کو نہ اِن کا گوشت پہنچتا ہے نہ اِن کا خون، بلکہ اُس کو صرف تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔‘‘

امام امین احسن اصلاحی اِس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

"مطلب یہ ہے کہ خدا قربانیوں کے گوشت یا خون سے محظوظ نہیں ہوتا، جیسا کہ مشرکین نے گمان کر رکھا ہے، بلکہ اُس تقویٰ اور اُس اسلام واخبات سے خوشنود ہوتا ہے، جو اِن قربانیوں سے اِن کے پیش کرنے والوں کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ تو یہ قربانیاں پیش کرتے ہوئے اپنے اندر تقویٰ کی یہ روح پیدا کرو۔ اگر یہ چیز نہ پیدا ہوئی تو یہ محض ایک جانور کا خون بہا دینا ہوا، اس کا حاصل کچھ نہیں۔" (تدبر قرآن ۵/۲۵۱)

اِس کی حقیقت اپنی جان کو اللہ کے حضور میں پیش کرنا ہے۔ قربانی کے جانور کو اللہ کی راہ میں قربان کر کے اِس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ہم نے اپنی جان کو اللہ کے لیے خاص کر دیا ہے، وہ جب چاہے، اُسے سلب کر لے اور جب چاہے، ہمیں یہ حکم فرمائے کہ ہم اپنی جان کو اُس کی راہ میں قربان کر دیں۔ استاذِ گرامی نے قربانی کی اِس حقیقت کو تفصیل سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اِس کی حقیقت وہی ہے جو زکوٰۃ کی ہے، لیکن یہ اصلاً مال کی نہیں، بلکہ جان کی نذر ہے جو اُس جانور کے بدلے میں چھڑا لی جاتی ہے جسے ہم اِس کا قائم مقام بنا کر قربان کرتے ہیں۔ بظاہر یہ اپنے آپ کو موت کے لیے پیش کرنا ہے، لیکن غور کیجیے تو یہ موت ہی حقیقی زندگی کا دروازہ ہے۔ ارشاد فرمایا ہے: 'وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ' (اور جو لوگ اللہ کی اِس راہ میں مارے جائیں، اُنھیں یہ نہ کہو کہ مردہ ہیں۔ وہ مردہ نہیں، بلکہ زندہ ہیں، لیکن تم اُس زندگی کی حقیقت نہیں سمجھتے)۔ قرآن نے ایک جگہ نماز کے مقابل میں زندگی اور قربانی کے مقابل میں موت کو رکھ کر یہی حقیقت واضح کی ہے کہ نماز جس طرح اللہ کے ساتھ ہماری زندگی ہے، اِسی طرح قربانی اُس کی راہ میں ہماری موت ہے:

قُلْ: اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (الانعام ۶: ۱۶۲)	"کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ پروردگارِ عالم کے لیے ہے۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ ہدایت کی گئی کہ وہ بیٹے کی جگہ جانور کی قربانی دیں اور آیندہ نسلوں میں ہمیشہ کے لیے ایک عظیم قربانی کو اُس کی یادگار بنا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ' (ہم نے ایک عظیم قربانی کے عوض اسمٰعیل کو چھڑا لیا)۔ اِس کے معنی یہ تھے کہ ابراہیم کی یہ نذر قبول کر لی گئی ہے اور اب نسلاً بعد نسلٍ لوگ اپنی قربانیوں کے ذریعے سے اِس واقعے کی یاد قائم رکھیں گے۔

اِس لحاظ سے دیکھیے تو قربانی پرستش کا منتہاے کمال ہے۔ اپنا اور اپنے جانور کا منہ قبلہ کی طرف کر کے 'بِسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ' کہہ کر، ہم اپنے جانوروں کو قیام یا سجدے کی حالت میں اِس احساس کے ساتھ

اپنے پروردگار کی نذر کر دیتے ہیں کہ یہ در حقیقت ہم اپنے آپ کو اُس کی نذر کر رہے ہیں۔

یہی نذر اسلام کی حقیقت ہے، اِس لیے کہ اسلام کے معنی ہی یہ ہیں کہ سر اطاعت جھکا دیا جائے اور آدمی اپنی عزیز سے عزیز متاع، حتیٰ کہ اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ قربانی، اگر غور کیجیے تو اِسی حقیقت کی تصویر ہے۔“ (میزان ۴۰۳-۴۰۴)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة فاطر

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا
الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ
مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ

(تمھارے مخاطبین سب یکساں نہیں ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ اندھے اور آنکھوں والے یکساں نہیں ہوتے، روشنی اور اندھیرے بھی یکساں نہیں ہیں، دھوپ اور چھاؤں بھی یکساں نہیں ہوتی اور نہ زندے اور مردے یکساں ہو سکتے ہیں۔ بے شک، اللہ ہی (اپنے قانون کے مطابق)[۱۱۴] جس کو چاہتا ہے، سننے کی توفیق دیتا ہے۔ تم قبروں میں پڑے ہوئے اِن مردوں کو نہیں سنا سکتے —

۱۱۴۔ یعنی اِس قانون کے مطابق کہ جو لوگ اُس کی بخشی ہوئی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھیں گے اور اُن کی قدر کریں اور جو علم اُن کے اندر الہام کیا گیا ہے، اُس سے فائدہ اٹھائیں گے، اُنھیں وہ مزید ہدایت بخشے گا، اور جنھوں نے اِن صلاحیتوں کی قدر نہیں کی اور خدا کے الہام کو نہیں سمجھا اور عقل کی آنکھیں پھوڑ کر اپنے دل بے نور کر لیے ہیں، اُن کو وہ اُنھی تاریکیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے گا جو وہ اپنے لیے خود پیدا کر لیں گے۔

اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنۡ
يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۚ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ
وَبِالزُّبُرِ وَبِالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَكَيۡفَ كَانَ
نَكِيۡرِ ﴿۲۶﴾

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا
اَلۡوَانُهَا ؕ وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ﴿۲۷﴾

تم تو صرف ایک خبر دار کرنے والے ہو۔ ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (اِس سے پہلے بھی) کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس کے اندر کوئی خبر دار کرنے والا نہ گزرا ہو۔[115] اگر یہ لوگ تمھیں جھٹلاتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، اِس لیے کہ اِن سے پہلے جو لوگ ہوئے ہیں، اُنھوں نے بھی اِسی طرح جھٹلا دیا تھا۔[116] اُن کے پاس بھی اُن کے رسول نہایت واضح دلائل اور صحیفوں اور روشن کتاب[117] کے ساتھ آئے تھے۔ پھر اُن کے منکرین کو میں نے پکڑا تو دیکھو کہ کیسی ہوئی اُن پر میری پھٹکار! ۱۹-۲۶

تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اُس سے ہم نے رنگ رنگ کے پھل پیدا کر دیے اور پہاڑوں میں بھی سفید اور سرخ، مختلف رنگوں کی دھاریوں والے ہیں اور گہرے سیاہ

۱۱۵۔ یعنی اُس موقع پر جب اُس نے اپنی شناخت الگ پیدا کر لی۔ چنانچہ بعد میں اِسی انذار کی روایت نسلاً بعد نسلٍ اُس کے صالحین و ابرار کے ذریعے سے اُس کے اندر منتقل ہوتی رہی۔

۱۱۶۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِس میں تمھاری کسی کوتاہی کو کوئی دخل نہیں ہے۔ رسولوں کے ساتھ اُن کی قوموں کا معاملہ ہمیشہ یہی رہا ہے۔

۱۱۷۔ یعنی کسی کے پاس صحیفوں اور کسی کے پاس روشن کتاب کے ساتھ۔ اِس میں 'و' تقسیم کے لیے ہے اور روشن کتاب سے اشارہ تورات کی طرف ہے۔ قرآن مجید سے پہلے کتاب منیر کی حیثیت اُسی کو حاصل رہی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

بھی۔[118] اِسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں کے اندر بھی کئی رنگ کے ہیں۔[119] (لہٰذا ہر شخص سے ہر چیز کی توقع نہیں کرنی چاہیے[120])۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ سے اُس کے بندوں میں سے وہی ڈریں گے جو علم والے ہیں۔[121] بے شک، اللہ زبردست ہے، درگذر فرمانے والا ہے۔[122] ۲۷-۲۸

۱۱۸۔ اصل الفاظ ہیں: 'غَرَابِيْبُ سُوْدٌ'۔ اِنھیں بظاہر 'سُوْدٌ غَرَابِيْبُ' ہونا چاہیے تھا، لیکن قرآن کی بلاغت ہے کہ اُس نے تاکید کو موخر کرکے صوتی حسن کے ساتھ اُس میں تاکید مزید کا مفہوم پیدا کر دیا ہے، جیسے ہم اپنی زبان میں کہیں کہ وہ لوگ چٹے ہیں، گورے۔

۱۱۹۔ یعنی صورت، سیرت، صفات، خصوصیات، ذوق و مزاج اور عادات و اطوار کے اعتبار سے اُن میں بڑا فرق و اختلاف ہے۔ یہ فرق و اختلاف اگر خلقی ہے تو خدا کی قدرت و حکمت کا ظہور ہے اور اخلاقی ہے تو امتحان کی اُس اسکیم سے پیدا ہوتا ہے جس کے مطابق یہ دنیا بنائی گئی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmedghamidi.com

۱۲۰۔ مطلب یہ ہے کہ فیض خواہ عام ہو، لیکن اُس سے فائدہ ہر شخص کو اُس کی استعداد کے لحاظ سے پہنچتا ہے۔ بارش برستی ہے تو باغ و چمن کو بے شک، گل و گلزار بنا دیتی ہے، مگر صحراؤں اور بیابانوں میں اُس کے یہ اثرات نہیں ہوتے۔ وہاں وہ جھاڑ جھنکاڑ ہی اگاتی ہے۔ یہ استعداد خدا پیدا کرتا ہے، لیکن انسانوں کے اندر یہ اُس قانون کے مطابق پیدا ہوتی ہے جس کی وضاحت ہم نے اوپر کر دی ہے۔

۱۲۱۔ یعنی پیغمبروں کی تذکیر سے اُس علم کو شعور کی سطح پر دریافت کر چکے ہیں جو خدا نے اُن کی فطرت میں ودیعت کر رکھا ہے۔ اِسی علم سے انسان اپنے پروردگار کو پہچانتا اور خیر و شر میں امتیاز کرتا ہے۔ اِس علم کا شعور نہ ہو تو تمام علوم و افکار بے بنیاد ہو کر رہ جاتے اور صرف اپنے حاملین کی سرکشی میں اضافہ کرتے ہیں۔ آیت میں 'الْعُلَمٰٓؤُا' سے مراد اِسی فطری علم کے حاملین ہیں۔ اِس کے لیے کسی درس گاہ میں جا کر پڑھنے پڑھانے اور کسی سے کوئی سند حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اِن علما کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بات کو گہرائی میں اتر کر سمجھتے ہیں، اُن کی نگاہ ہمیشہ اصل حقیقت پر رہتی ہے، وہ کبھی کٹ حجتی کرنے اور غیر متعلق موشگافیوں میں پڑنے کی کوشش نہیں کرتے، وہ الفاظ کے پیچوں میں نہیں الجھتے، ہمیشہ معانی و مفاہیم کی جستجو کرتے ہیں، وہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا
وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۙ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ

(تمھارے مخاطبین میں، اے پیغمبر)، جو لوگ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے رہے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے اُن کو دیا ہے، اُس میں سے کھلے اور چھپے (خدا کی راہ میں) خرچ کرتے رہے ہیں، کچھ شک نہیں کہ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہ ہو گا۔[123] اِس لیے امیدوار ہیں کہ اللہ اُن کو اُن کے اعمال کا پورا اجر بھی دے اور اُن کے لیے اپنے فضل سے زیادہ بھی کرے۔ بے شک، اللہ بخشنے والا اور قبول فرمانے والا ہے۔[124] (اِس طرح کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

چیزوں کو ظاہر کے اعتبار سے نہیں، اُن کے باطن کے اعتبار سے دیکھتے ہیں اور سطح سے نیچے اتر کر قعر دریا میں پڑے ہوئے موتی نکال لاتے ہیں، وہ اِس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ سچائی کو جان لینے کے بعد کوئی شخص اپنے کو اُس سے غیر متعلق بھی رکھ سکتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ پیغمبر کی دعوت یہی لوگ قبول کریں گے۔ اِس کی توقع اُن جاہلوں سے نہیں کی جا سکتی جو کتابوں کے ڈھیر اٹھائے ہوتے ہیں، لیکن اُس کتاب الٰہی کو اُنھیں کبھی کھول کر دیکھنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی جو خدا نے اُن کی تخلیق کے وقت ہی اُن پر نازل کر دی تھی اور نہ اُس کو جو بعد میں اُس نے اپنے پیغمبروں پر نازل کی ہے۔

۱۲۲۔ یعنی جاہلوں کو جب چاہے، پکڑ سکتا ہے، مگر اِس لیے نہیں پکڑتا کہ زبردست ہونے کے ساتھ ساتھ درگذر فرمانے والا بھی ہے۔ چنانچہ اُس وقت تک مہلت دیتا ہے، جب تک حجت پوری نہیں ہو جاتی۔

۱۲۳۔ آگے آیت ۳۲ میں بنی اسمٰعیل کے اخیار و اشرار کا ذکر اِن الفاظ میں ہوا ہے کہ ''پھر ہم نے اُنھیں اپنی کتاب کا وارث بنایا''۔ یہ اِس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہاں جن لوگوں کا ذکر ہے، وہ اہل کتاب کے صالحین ہیں جن کے بعض گروہ قریب کے علاقوں سے مکہ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائے۔

۱۲۴۔ یہ اُن کے انفاق کا محرک بتایا ہے اور وہ صلہ بھی بیان کر دیا ہے جو اُنھیں اُن کے پروردگار کی طرف سے ملنے والا ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾
ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ
وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

لوگ ہیں جو اِس دعوت کو قبول کریں گے،[۱۲۵] اِنھیں بتاؤ کہ) ہم نے جو کتاب تمھاری طرف اتاری ہے، وہی حق ہے،[۱۲۶] اُن پیشین گوئیوں کی مصداق جو اُس سے پہلے موجود ہیں۔ بے شک، اللہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا، دیکھنے والا ہے۔[۱۲۷] ۲۹-۳۱

(یہی حق اہل کتاب کے پاس بھی تھا، مگر اُنھوں نے اِس کی قدر نہیں کی)، پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنادیا جنھیں اب ہم نے اپنے بندوں میں سے (اِس شرف کے لیے) منتخب کیا ہے۔[۱۲۸] سو اُن میں سے کچھ تو اپنی جان پر ظلم ڈھانے والے ہیں[۱۲۹] اور کچھ اُن میں سے بیچ کے راستے پر ہیں[۱۳۰] اور کچھ اللہ کی توفیق سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔[۱۳۱] یہی بہت

۱۲۵۔ یعنی وہی جو اُس ہدایت کے قدر دان اور اُس پر عمل پیرا رہے جو اُن کے پاس پہلے سے موجود ہے۔

۱۲۶۔ یعنی لفظ اور معنی، دونوں کے اعتبار سے باطل کے ہر شائبے سے پاک، جس کا خدا کی طرف سے اور خدا کی بات ہونا بالکل یقینی ہے۔

۱۲۷۔ یعنی اُن سے غیر متعلق نہیں ہے کہ اُنھیں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے اور اُن کی ہدایت کا کوئی اہتمام نہ کرے۔

۱۲۸۔ بنی اسمٰعیل مراد ہیں جن کے اندر خدا نے اپنا پیغمبر اپنے آخری عہد نامے کے ساتھ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

۱۲۹۔ یعنی اُنھوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ پوری قوت کے ساتھ پیغمبر کی مخالفت کریں گے اور اِس شرف عظیم سے اپنے آپ کو محروم کر لیں گے، جیسے ابوجہل، ابولہب وغیرہ۔ یہ پہلا گروہ ہے۔

۱۳۰۔ یہ دوسرے گروہ کا ذکر ہے جو مخالف اور معاند تو نہیں ہے، لیکن آگے بڑھ کر اِس دعوت کو قبول کرنے اور اِس کی حمایت میں کھڑے ہو جانے کا حوصلہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اِن کے لیے آیت میں لفظ 'مُقْتَصِد' استعمال ہوا ہے۔ اِس سے قرآن نے امید دلائی ہے کہ دیر سویر اِن کا تردد دور ہو جائے گا اور خدا نے

الْكَبِيْرُ ﴿٣٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ﴿٣٤﴾ لا ۣالَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

بڑا فضل ہے۔[۱۳۲] اُن کے لیے ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، اُنھیں وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اُن کا لباس وہاں ریشم کا ہوگا[۱۳۳] اور وہ (یہ نعمتیں پاکر) کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہر طرح کا غم ہم سے دور کر دیا۔[۱۳۴] حقیقت یہ ہے کہ ہمارا پروردگار بخشنے والا، قبول فرمانے والا ہے، جس نے اپنے فضل سے ہمیں اِس ہمیشہ کی

چاہا تو یہ اِس نعمت عظمیٰ سے محروم نہیں رہیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا اور اِن میں سے زیادہ بعد میں ایمان لے آئے۔

۱۳۱۔ یہ تیسرا گروہ ہے جسے قرآن نے دوسری جگہ 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* بھی کہا ہے۔ اِس کے سرخیل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر حق کا شعور اتنا قوی ہوتا ہے کہ ہر دعوت حق اُن کو فوراً اپیل کرتی ہے اور اُن کی قوت ارادی اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ جب اُن کو کوئی چیز اپیل کر لیتی ہے تو وہ اُس کی خاطر راہ کے تمام عقبات ایک ہی جست میں پار کر جاتے ہیں اور اُس کی حمایت یا مدافعت میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے، بلکہ تمام رکاوٹوں کا پوری دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے نیکی اور بھلائی کے ہر میدان میں گوے سبقت لے جانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔" (تدبر قرآن ۶/ ۳۸۵)

۱۳۲۔ یہ نہایت بلیغ اسلوب میں دوسرے گروہ کے لیے دعوت ہے کہ ابھی موقع ہے، وہ بھی اِس فیض عظیم سے اپنا حصہ لے سکتے ہیں۔

۱۳۳۔ یہ سونے کے کنگن اور موتی اور ریشم، سب تقریب فہم کے لیے ہے کہ اُس زمانے کے سلاطین اور بادشاہوں کے رہن سہن کو تصور میں لا کر لوگ جنت کی نعمتوں کا کچھ اندازہ کر سکیں۔

۱۳۴۔ یعنی اب نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا باقی رہا ہے اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ اللہ تعالیٰ نے سارے رنج و غم اور خوف اور اندیشے دور کر دیے ہیں۔

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا لُغُوۡبٌ ﴿۳۵﴾

وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقۡضٰی عَلَیۡهِمۡ فَیَمُوۡتُوۡا وَلَا یُخَفَّفُ
عَنۡهُمۡ مِّنۡ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِیۡ كُلَّ كَفُوۡرٍ ﴿ۚ۳۶﴾ وَهُمۡ یَصۡطَرِخُوۡنَ فِیۡهَا ۚ
رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَیۡرَ الَّذِیۡ كُنَّا نَعۡمَلُ ؕ اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا یَتَذَكَّرُ
فِیۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیۡرُ ؕ فَذُوۡقُوۡا فَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ ﴿۳۷﴾ اِنَّ
اللّٰهَ عٰلِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۳۸﴾

اقامت کے گھر میں اتارا ہے۔ اِس میں ہمیں اب نہ کوئی مشقت پہنچے گی اور نہ اِس میں ہمیں کبھی تکان لاحق ہو گی۔ ۳۲-۳۵

اِس کے برخلاف جنھوں نے ماننے سے انکار کر دیا ہے، اُن کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ اُن کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ اُس کا عذاب ہی اُن سے کچھ ہلکا کیا جائے گا کہ ذرا دم لے سکیں۔ ہر ناشکرے کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ وہ اُس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے رب، ہم کو نکال لے، اب ہم نیک عمل کریں گے، ویسے نہیں، جیسے ہم (اِس سے پہلے) کیا کرتے تھے — کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ جو یاددہانی حاصل کرنا چاہے، وہ اُس میں یاددہانی حاصل کر سکتا تھا اور تمھارے پاس (خدا کی طرف سے) خبردار کرنے والا بھی آ گیا تھا؟[۱۳۵] سو اب چکھو اپنے کیے کا مزہ کہ ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔ (لوگو، اللہ کے سامنے اُس وقت کسی بہانہ جوئی کا موقع نہ ہو گا)، اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ زمین اور آسمانوں کے ہر غیب کا جاننے والا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو سینوں میں چھپے ہوئے بھید بھی جانتا ہے۔ ۳۶-۳۸

۱۳۵۔ اِس جواب سے واضح ہے کہ اوپر جو سزا بیان ہوئی ہے، وہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو پختہ عمر کو پہنچے اور اُن پر کسی خبردار کرنے والے نے حجت بھی تمام کر دی۔ سن و سال کی پختگی کو پہنچنے سے پہلے جو لوگ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اُن پر اتمام حجت بھی نہیں ہوا، اُن کے لیے یقیناً عذر کا موقع ہو گا جو حق و عدل کے مطابق مسموع بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ ط فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ط وَلَا
يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ج وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ
اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط اَرُوْنِيْ مَاذَا
خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ج اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى
بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ج بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۴۰﴾

وہی ہے جس نے تمھیں اِس سرزمین میں اگلوں کا جانشین بنایا ہے۔[۱۳۶] (اب چاہے، ماننے والے بنو یا انکار کرو)۔ پھر جس نے انکار کر دیا تو اُس کے انکار کا وبال اُسی پر ہے اور منکروں کے لیے اُن کا انکار اُن کے پروردگار کے نزدیک اُس کے غضب کو بڑھانے ہی کا باعث ہوتا ہے اور منکروں کے لیے اُن کا انکار اُن کے خسارے ہی میں اضافہ کرتا ہے۔ ۳۹

اِن سے کہو، ذرا تم دیکھو تو اپنے اُن شریکوں کو جنھیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ مجھے دکھاؤ کہ اُنھوں نے زمین میں کیا بنایا ہے؟ یا آسمانوں کے بنانے میں اُن کی کوئی حصہ داری ہے؟ یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اُس کی کوئی واضح دلیل رکھتے ہیں؟[۱۳۷] ہرگز نہیں، بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے صرف دھوکے کی باتوں کا وعدہ کر رہے ہیں۔[۱۳۸] ۴۰

۱۳۶۔ یعنی عاد و ثمود اور دوسری قدیم اقوام کا جو بنی اسمٰعیل سے پہلے عرب میں آباد تھیں۔ سورہ کے خاتمے پر یہ اب اُن کو براہ راست خطاب کر کے متنبہ فرمایا ہے۔ اِس میں، اگر غور کیجیے تو سورہ کے فواصل بھی بدل گئے ہیں تاکہ متکلم کے لب و لہجے کی تبدیلی مخاطبین کو چونکائے اور وہ پوری طرح بیدار ہو کر اُس کی بات سنیں۔

۱۳۷۔ یعنی ایسی کوئی دلیل کہ خود ہم نے اُس کتاب میں تسلیم کر رکھا ہے کہ فلاں اور فلاں ہماری خدائی میں شریک ہے۔

۱۳۸۔ یعنی اِس طرح کی باتوں کا وعدہ کہ فلاں اور فلاں ہستیوں کا دامن تھام لوگے تو دنیا میں بھی تمھارے کام بن جائیں گے اور آخرت میں بھی چاہے جتنے گناہ سمیٹ کر لاؤ گے، وہ اُن کو خدا سے بخشوا لیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ
اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿٤٢﴾ ۙ اِسْتِكْبَارًا فِي
الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ؕ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ؕ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ

(تم سمجھتے ہو کہ یہ خدا کی گرفت سے تمھیں بچا لیں گے)؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی زمین اور آسمانوں کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ ٹل نہ جائیں اور بالفرض وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا اُن کو تھامنے والا نہیں ہے۔ (تم اِن کے اندر اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہو تو یہ اُس کی دی ہوئی مہلت ہے)، اِس میں شبہ نہیں کہ وہ بڑا حلیم اور درگذر فرمانے والا ہے۔ ۴۱

یہ (اِس سے پہلے) خدا کی کڑی کڑی قسمیں کھاتے رہے کہ اگر اِن کے پاس کوئی خبردار کرنے والا آیا تو یہ دوسری ہر قوم سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔[۱۳۹] پھر جب اِن کے پاس ایک خبردار کرنے والا آ گیا تو زمین میں اپنے کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے[۱۴۰] اُس کے آنے نے اِن کی بے زاری اور اِن کی بری چالوں کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔ اور بری چال تو (بالآخر) اُسی

۱۳۹۔ بنی اسمٰعیل یہ بات یہود کے جواب میں کہتے ہوں گے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اُن کے ہاں بھی یہ روایت موجود تھی کہ اُن کے اندر ایک رسول کی بعثت ہونے والی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ روایت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانے سے چلی آ رہی ہو یا نصاریٰ کے ذریعے سے اُن تک پہنچی ہو جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ امیوں کے اندر ایک رسول کی بعثت کے منتظر تھے۔

۱۴۰۔ یہ رسول سے اُن کی بے زاری کا سبب بیان ہوا ہے کہ سرزمین عرب میں یہ محض اپنی بڑائی اور سیادت کا زعم تھا جس کی بنا پر وہ اِس انتہا تک پہنچ گئے۔

اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ۬ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ
تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ
مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَکَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾

وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ
وَّلٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ

کو گھیرتی ہے جو بری چال چلتا ہے۔ سواب یہ اُسی سنت کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں جو اگلوں کے لیے ظاہر ہوئی تھی۔[۱۴۱] (یہی بات ہے) تو تم خدا کی اُس سنت میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور نہ خدا کی اُس سنت کو کبھی ٹلتا ہوا دیکھو گے۔ کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا جو اِن سے پہلے گزرے ہیں، دراں حالیکہ وہ قوت میں اِن سے کہیں بڑھ کر تھے؟ (لوگو)، کوئی چیز ایسی نہیں کہ خدا کو عاجز کر دے، نہ زمین میں اور نہ آسمانوں میں۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ سب کچھ جانتا ہے، بڑی قدرت والا ہے۔ ۴۲-۴۴

(لہٰذا ایک دن یہ بھی پکڑے جائیں گے) لوگوں کو اُن کے اعمال پر اگر اللہ فوراً[۱۴۲] پکڑتا تو زمین کی پشت پر کسی جان دار کو باقی نہ چھوڑتا، مگر وہ اُنھیں ایک مقرر مدت تک مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اُن کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو لازماً پکڑتا ہے، اِس لیے کہ اللہ اپنے بندوں کو

۱۴۱۔ اِس جملے میں عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق کچھ الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں۔ اُنھیں کھول دیجیے تو پوری عبارت اِس طرح ہے: ’فَھَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ اللّٰہِ فِی الۡاَوَّلِیۡنَ‘۔

۱۴۲۔ یہاں ’عَلٰی عَجَلٍ‘ یا اِس کے ہم معنی الفاظ اصل میں محذوف ہیں۔ یہ اُنھی کا ترجمہ ہے۔ آگے ’وَلٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ‘ کے الفاظ سے اُن کی وضاحت ہو گئی ہے۔

بَصِیْرًا ﴿۴۵﴾

دیکھنے والا ہے۔[۱۴۳] ۴۵

۱۴۳۔ یعنی اُن سے غیر متعلق ہو کر نہیں بیٹھ گیا ہے کہ جو چاہے کرتے رہیں اور اُسے اُن کی کوئی خبر نہ ہو۔ وہ اُن کو دیکھنے والا ہے کہ اُن میں سے کون کیا کر رہا ہے اور کس پاداش کا مستحق ہے۔

کوالالمپور

۳؍ مئی ۲۰۱۴ء

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: محمد رفیع مفتی / محسن ممتاز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حلف الفضول میں شرکت

—— ۱ ——

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ:[۱] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «شَهِدْتُ غُلَامًا مَعَ عُمُومَتِي حِلْفَ الْمُطَيَّبِينَ، فَمَا أُحِبُّ[۲] أَنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ، وَأَنِّي أَنْكُثُهُ».

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ میں لڑکپن میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلف المطیبین[۱] میں شریک ہوا تھا۔ میں اِسے توڑ دوں، مجھے یہ سرخ اونٹوں کے عوض بھی قبول نہیں ہو سکتا تھا۔[۲]

۱۔ حلف المطیبین، یعنی اچھائی کرنے والوں کا عہد۔ اِسی کو حلف الفضول کہا گیا ہے۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ اِس بات کا اظہار ہے کہ اِس معاہدے میں آپ کو اپنی شرکت کس قدر پسند تھی۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۶۷۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

ہیں۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے متابعات یہ ہیں:

مسند احمد، رقم ۱۶۵۵۔ الادب المفرد، بخاری، رقم ۵۶۷۔ التاریخ الکبیر، ابن ابی خیثمہ، رقم ۶۴۹۔ تاریخ ابی زرعہ ۱/۱۴۳۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۲۲۱۔ مسند بزار، رقم ۱۰۰۰۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۸۴۵۔ تفسیر طبری، رقم ۹۲۹۶۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۹۶۳۔ مسند الشاشی، رقم ۲۳۸۔ معجم الصحابہ، ابن قانع ۱۴۳/۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۳۷۳۔ معجم ابن المقری، رقم ۱۹۴۔ مستدرک حاکم، رقم ۲۸۷۰۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۳۰۷۷۔

۲۔ بعض روایات، مثلاً معجم الصحابہ، ابن قانع ۱۴۳/۲ میں 'وَمَا أُحِبُّ' کے بجاے 'وَمَا يَسُرُّنِي'، ''مجھے خوش نہ کرتی'' کے الفاظ منقول ہیں۔

—— ۲ ——

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:[۱] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ، وَكُلُّ حِلْفٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً ، وَمَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِيَ حُمْرَ النَّعَمِ وَأَنِّي نَقَضْتُ الْحِلْفَ الَّذِي كَانَ فِي دَارِ النَّدْوَةِ».

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں کسی حلف کی ضرورت نہیں رہی[۱]۔ رہے دور جاہلیت کے حلف تو اسلام نے اُنھیں اور بھی پختہ کر دیا ہے۔ دار الندوہ میں جو حلف ہوا تھا، اُس کو توڑنے کے عوض مجھے سرخ اونٹ بھی دیے جائیں تو کبھی خوش نہ آئیں گے۔

۱۔ اِس لیے کہ اسلام کا نظم اجتماعی اُن سب ضرورتوں کو بدرجۂ اتم پورا کر دیتا ہے، جن کے لیے اِس طرح کے عہد زمانۂ جاہلیت میں کیے جاتے تھے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن تفسیر طبری ۶/ ۶۸۳ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے تنہا راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ اِس روایت کا نہ کوئی متابع ہے اور نہ حلف الفضول سے متعلق اِس کے الفاظ کا کوئی شاہد نقل ہوا ہے۔

المصادر والمراجع

ابن أبي حاتم عبد الرحمٰن بن محمد الرازي. (١٤٢٧هـ/٢٠٠٦م). **العلل**. ط١. تحقيق: فريق من الباحثين بإشراف وعناية د/ سعد بن عبد الله الحميد و د/ خالد بن عبد الرحمٰن الجريسي. الرياض: مطابع الحميضي.

ابن أبي حاتم عبد الرحمٰن بن محمد الرازي. (١٢٧١هـ/١٩٥٢م). **الجرح والتعديل**. ط١. حيدر آباد الدكن. الهند: طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

ابن أبي خيثمة أحمد بن زهير. (١٤٢٧هـ/٢٠٠٦م). **تاريخ ابن أبي خيثمة**.ط١. تحقيق: صلاح بن فتحي هلال. القاهرة: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر.

ابن أبي عاصم أحمد بن عمرو الشيباني. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **الآحاد والمثاني**. ط١. تحقيق: د. باسم فيصل أحمد الجوابرة. الرياض: دار الراية.

ابن حبان محمد بن حبان البُستي. (١٤٢٠هـ/٢٠٠٠م). **المجروحين من المحدثين**. ط١. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفى. دار السميعي.

إبن حبان محمد بن حبان البُستي. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **لسان الميزان**. ط٣. تحقيق: دائرة المعرف النظامية الهند. بيروت: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤١٧هـ/١٩٩٧م). **تحرير تقريب التهذيب**. ط١. تاليف: الدكتور بشار عواد معروف، الشيخ شعيب الأرنؤوط. بيروت: لبنان. مؤسسة الرسالة للطباعة

والنشر والتوزيع.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م). **طبقات المدلسين**. ط١. تحقيق: د. عاصم بن عبدالله القريوتي. عمان: مكتبة المنار.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **النكت على كتاب ابن الصلاح**. ط١. تحقيق: ربيع بن هادي المدخلي. المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية.

ابن رجب عبد الرحمٰن السَلامي. (١٤٠٧هـ/١٩٨٧م). **شرح علل الترمذي**. ط١. تحقيق: الدكتور همام عبد الرحيم سعيد. الأردن: مكتبة المنار (الزرقاء).

ابن عدي عبد الله بن عدي الجرجاني. (١٤١٨هـ/١٩٩٧م). **الكامل في ضعفاء الرجال**. ط١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، علي محمد معوض. بيروت: الكتب العلمية.

ابن قانع أبو الحسين عبد الباقي. (١٤١٨هـ). **معجم الصحابة**. ط١. تحقيق: صلاح بن سالم المصراتي. المدينة المنورة: مكتبة الغرباء الأثرية.

ابن الكيال محمد بن احمد. (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م). **الكواكب النيرات**. ط٢. تحقيق: عبدالقيوم عبد رب النبي. مكة المكرمة: المكتبة الإمدادية.

ابن المِبرَد يوسف بن حسن الحنبلي. (١٤١٣هـ/١٩٩٢م). **بحر الدم فيمن تكلم فيه الإمام أحمد بمدح أو ذم**. ط١. تحقيق وتعليق: الدكتورة روحية عبد الرحمٰن السويفي. بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن المديني علي بن عبد الله السعدي. (١٩٨٠م). **العلل**. ط٢. تحقيق: محمد مصطفى الأعظمي. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن معين يحيى بن معين البغدادي. (١٣٩٩هـ/١٩٧٩م). **تاريخ ابن معين**. ط١. تحقيق: د. أحمد محمد نور سيف. مكة المكرمة: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي.

إبن المقرئ أبو بكر محمد بن إبراهيم. (١٤١٩هـ/١٩٩٨م). **المعجم لابن المقرئ**. ط١. تحقيق: أبي عبد الحمن عادل بن سعد. الرياض: مكتبة الرشد.

أبو اسحاق الحويني. (١٤٣٣هـ/٢٠١٢م). **نثل النبال بمعجم الرجال**. ط١. جمعه ورتبه: أبو عمرو

أحمد بن عطية الوكيل. مصر: دار ابن عباس.

أبو داود سليمان بن الأشعث السَّجِسْتاني. (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م). **سؤالات أبي عبيد الآجري أبا داود السجستاني في الجرح والتعديل.** ط١. تحقيق: محمد علي قاسم العمري. المدينة المنورة: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية.

ابو زرعة عبد الرحمٰن بن عمرو الدمشقي. (١٤١٧هـ/١٩٩٦م). **تاريخ أبي زرعة الدمشقي.** ط١. تحقيق: شكر الله نعمة الله القوجاني. دمشق: مجمع اللغة العربية.

أبو يعلى أحمد بن علي الموصلي. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **مسند أبي يعلى.** ط١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٢٢هـ/٢٠٠١م). **العلل و معرفة الرجال.** ط٢. تحقيق و تخريج: د وصي الله بن محمد عباس. الرياض: دار الخاني فرقد فريد الخاني.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م). **العلل و معرفة الرجال.** ط١. تحقيق و تخريج: د وصي الله بن محمد عباس. بيروت: المكتب الإسلامي. الرياض: دار الخاني.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **مسند أحمد.** ط١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط عادل مرشد، وآخرون. إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

البخاري،محمد بن إسمٰعيل الجعفي. (١٤٠٩هـ/١٩٨٩م). **الأدب المفرد.** ط٣. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي.بيروت:دار البشائر الإسلامية.

البخاري محمد بن إسمٰعيل الجعفي. (٢٠٠٩م). **التاريخ الكبير.** تحقيق: السيد هاشم الندوي. بيروت. دار الفكر.

البخاري محمد بن إسمٰعيل الجعفي. (١٣٩٧هـ/١٩٧٧م). **التاريخ الأوسط.** ط١. القاهرة: دار الوعي مكتبة دار التراث.

البزار أبو بكر أحمد بن عمرو. (٢٠٠٩م). **مسند البزار.** ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن، وعادل بن سعد، وصبري عبد الخالق. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين. (١٤٢٤هـ/٢٠٠٣م). **السنن الكبرى.** ط٣. تحقيق: عبد المعطي

أمين قلعجي. بيروت: دار الكتب العلمية.

الحاكم أبو عبد الله محمد بن عبد الله النيسابوري. (١٤١١ﻫ /١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين.** ط١. تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية.

خالد الرباط سيد عزت عيد. (١٤٣٠ﻫ/٢٠٠٩م). **الجامع لعلوم الإمام أحمد (الأدب والزهد).** ط١. مصر: دار الفلاح للبحث العلمي وتحقيق التراث.

الدارقطني علي بن عمر. (١٤٠٥ﻫ/١٩٨٥م). **العلل الواردة في الأحاديث النبوية.** ط١. تحقيق و تخريج: محفوظ الرحمٰن زين الله السلفي. الرياض: دار طيبة.

الذهبي محمد بن أحمد. (١٤١٣ﻫ/١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة.** ط١. تعليق: امام برهان الدين أبي الوفاء إبراهيم بن محمد. جدة: دار القبلة للثقافة الإسلامية، مؤسسة علوم القرآن.

الذهبي محمد بن أحمد. (١٣٨٧ﻫ/١٩٦٧م). **ديوان الضعفاء والمتروكين.** ط٢. تحقيق: حماد بن محمد الانصاري. مكة: مكتبة النهضة الحديثة.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٩٨٨م). **الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط.** ط١. تحقيق: علاء الدين علي رضا. القاهرة. دار الحديث.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٩٨٦م). **التبيين لأسماء المدلسين.** ط١. تحقيق: يحيى شفيق حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٤٠٧ﻫ/١٩٨٧م). **الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث.** ط١. المحقق: صبحي السامرائي. بيروت: عالم الكتب، مكتبة النهضة العربية.

الشاشي الهيثم بن كليب. (١٤١٠ﻫ). **مسند الشاشي.** ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين الله. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

الطبري أبو جعفر محمد بن جرير. (١٤٢٠ﻫ/٢٠٠٠م). ط١. **جامع البيان في تأويل القرآن المعروف بتفسير الطبري.** تحقيق: أحمد محمد شاكر. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الطحاوي أبو جعفر أحمد بن محمد. (١٤١٥ﻫ/١٩٩٤م). **شرح مشكل الآثار.** ط١. تحقيق:

شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

العجلي أحمد بن عبد الله. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **معرفة الثقات**. ط١. تحقيق: عبد العليم عبد العظيم البستوي. المدينة المنورة: مكتبة الدار.

مغلطاي علاء الدين بن قليج. (١٤٢٢هـ/٢٠٠١ م). **إكمال تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط١. تحقيق: أبو عبد الرحمٰن عادل بن محمد، أبو محمد أسامة بن إبراهيم. القاهرة: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر

قرآن مجید میں اختلاط مرد وزن کے احکام

مختلف تعبیرات کی تفہیم اور تجزیہ

(۱)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مرد وزن کے اختلاط کے ضمن میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں اس کے جو حدود وآداب بیان کیے گئے ہیں، کیا ان کی رو سے یہ لازم ہے کہ خواتین، غیر محرم مردوں سے حجاب میں رہیں، یعنی کھلے چہرے کے ساتھ ان کے سامنے نہ آئیں؟ قرآن مجید میں جو ہدایات اس سوال سے براہ راست متعلق ہیں، ان میں سے ایک سورۂ نور میں اور دو ہدایات سورۂ احزاب میں آئی ہیں۔

سورۂ نور میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ. وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ

”(اے پیغمبر)، اہل ایمان مردوں کو ہدایت کرو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ بے شک، جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔ اور اہل ایمان عورتوں کو ہدایت کرو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں

عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ.(۲۴: ۳۰-۳۱)

کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اس زینت کے جو کھلی ہوتی ہے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈال کر رکھیں۔‘‘

دوسری ہدایت سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۵۳ میں بیان ہوئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ز وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ط وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ط وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ط اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا.

’’ایمان والو، تم نبی کے گھروں میں مت جایا کرو، الاّ یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے۔ اِس طرح کہ اُس کی تیاری کے منتظر نہ رہو، بلکہ جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو، پھر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ اِس سے پیغمبر کو اذیت ہوتی ہے، مگر وہ تمھارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور تمھیں جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ تمھارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور اُن کے دلوں کے لیے بھی۔ تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ اُس کے بعد تم اُس کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی سنگین بات ہے۔‘‘

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

تیسری ہدایت سورۂ احزاب (۳۳) کی آیت ۵۹ میں دی گئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا

’’اے نبی، تم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور سب مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ (باہر نکلتے وقت) اپنی چادریں اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔

يُؤْذَيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. اِس سے اس کا زیادہ امکان ہے کہ ان کی شناخت ہو جائے اور پھر ان کو ستایا نہ جائے۔ اور اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔‘‘

ان میں سے سورۂ نور کی آیت میں خواتین کو اپنی وہ زینت کھلی رکھنے کی اجازت دی گئی ہے جو ظاہر ہوتی ہے۔ صحابہ وتابعین کے متعدد تفسیری آثار میں اس کا مصداق چہرے اور ہاتھ پاؤں جیسے اعضا کو اور ان پر کی گئی زیبایش کو قرار دیا گیا ہے۔ یوں یہ آیت ان اعضا کو کھلا رکھنے کی اجازت بیان کر رہی ہے۔ اس کے برعکس سورۂ احزاب کی دونوں ہدایات کا مفاد یہ سامنے آتا ہے کہ غیر محرم مردوں اور خواتین کے مابین حجاب ہونا چاہیے اور خواتین کو گھر سے باہر نکلتے ہوئے ایک بڑی چادر اپنے جسم پر ڈال لینی چاہیے، جس کی صورت بعض تفسیری آثار میں یہ بیان کی گئی ہے کہ سر کے اوپر سے چادر کو چہرے پر اس طرح لٹکا لیا جائے کہ چہرے کا بیش تر حصہ چھپ جائے۔

اب اگر سورۂ نور کی آیت کو مذکورہ تفسیر کے مطابق حکم کا بنیادی ماخذ مانا جائے تو چہرے کے پردے کو شرعاً لازم قرار نہیں دیا جا سکتا، جب کہ سورۂ احزاب کی ہدایات کو بنیادی ماخذ سمجھا جائے تو حجاب لازم قرار پاتا ہے۔ یوں قرآن مجید کی ان ہدایات کا مفہوم اور ان کا باہمی ربط و تعلق متعین کرنے کا سوال سامنے آتا ہے۔ فطری طور پر اس ضمن میں اہل علم میں اختلاف پایا جاتا ہے اور مختلف اہل علم نے ان نصوص کی تعبیر و تشریح سے چہرے کے پردے کے لازم ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے مختلف نتائج اخذ کیے ہیں۔

ان تعبیری اختلافات کے علاوہ اس بحث میں دو متعارض عقلی وفقہی قیاسات بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں: ایک قیاس یہ ہے کہ شریعت کا مقصود جنسی کشش سے پیدا ہونے والے فتنے کی روک تھام ہے اور چہرہ چونکہ عورت کی خوب صورتی اور کشش کا سب سے نمایاں مظہر ہے، اس لیے اس کو غیر محرم مردوں سے چھپا کر رکھنا فتنے کے سد باب کے لیے ضروری ہونا چاہیے۔ اس کے مقابلے میں دوسرا قیاس یہ ہے کہ مرد وزن کا اختلاط ایک عملی معاشرتی ضرورت ہے اور تعارف، گفتگو یا روز مرہ کے لین دین کے لیے چہرے یا ہاتھ پاؤں کو کھلا رکھنا خواتین کے لیے ناگزیر ہے، اس لیے خواتین کو اس کا پابند بنانا مشقت اور حرج کا موجب اور شریعت کے عمومی مزاج کے خلاف ہے۔

ان متعارض قیاسات کی روشنی میں مختلف اہل علم مذکورہ نصوص کا مفہوم اور باہمی تعلق مختلف طریقوں

سے متعین کرتے ہیں۔ زیر نظر تحریر میں ہم ان مختلف زاویہ ہاے نگاہ اور ان کے پیش کردہ استدلالات کا ایک تقابلی و توضیحی مطالعہ پیش کریں گے۔

وجوب حجاب کے قائلین کا موقف اور استدلال

جیسا کہ واضح کیا گیا، اہل علم کے ایک گروہ کے نزدیک غیر محرم مردوں اور خواتین کے میل جول کے ضمن میں شریعت کا بنیادی حکم وہ ہے جو سورۂ احزاب کی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ اہل علم ان آیات کی دلالت کو زیادہ واضح اور فیصلہ کن قرار دیتے ہیں اور ان کی روشنی میں سورۂ نور کی ہدایت کی بھی ایسی تشریح کرتے ہیں جو غیر محرم مردوں سے حجاب کی ہدایت کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

آیت حجاب اور آیت جلباب سے استدلال

آیت حجاب میں امہات المومنین سے کوئی چیز مانگنے یا کوئی بات پوچھنے کے لیے یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ ایسا آمنے سامنے نہ ہو، بلکہ پردے کے پیچھے سے ضروری گفتگو یا معاملہ کیا جائے۔ اس سے خواتین کے متعلق ایک عمومی ہدایت اخذ کرنے کا رجحان ماضی کے بعض مفسرین، مثلاً قاضی ابو بکر ابن العربی اور امام قرطبی کے ہاں بھی دکھائی دیتا ہے (اگرچہ سورۂ نور کے تحت یہ دونوں اہل علم، جیسا کہ آیندہ چل کر وضاحت کی جائے گی، اس سے مختلف بات کہتے ہیں)۔ چنانچہ ابن العربی لکھتے ہیں:

وهذا يدل على أن الله أذن في مساءلتهن من وراء حجاب في حاجة تعرض أو مسالة يستفتى فيها والمرأة كلها عورة بدنها وصوتها فلا يجوز لها كشف ذالك إلا لضرورة أو لحاجة كالشهادة عليها أو داء يكون ببدنها أو سوالها عما يعن ويعرض عندها.

(احکام القرآن ۳/ ۶۱۶)

”یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ضرورت پیش آنے پر یا کسی مسئلے میں ان کی راے لینے کے لیے پردے کے پیچھے رہتے ہوئے خواتین سے کوئی بات پوچھنے کی اجازت دی ہے۔ عورت کا پورا جسم اور اس کی آواز پوشیدہ ہونی چاہیے اور اس کے لیے جسم کو کھولنا جائز نہیں، سواے اس کے کہ کوئی ضرورت پیش آجائے، جیسا کہ عورت کے متعلق گواہی دینی ہو یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو یا عورت کے سامنے پیش آنے والے کسی واقعے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کے متعلق اس سے استفسار کرنا ہو۔‘‘

امام قرطبی نے بھی کچھ اضافے کے ساتھ اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

في هذه الآية دليل على أن الله أذن في مساءلتهن من وراء حجاب في حاجة تعرض أو مسالة يستفتين فيها ويدخل في ذالك جميع النساء بالمعنى وبما تضمنته أصول الشريعة من أن المرأة كلها عورة بدنها وصوتها كما تقدم فلا يجوز كشف ذالك إلا لحاجة كالشهادة عليها أو داء يكون ببدنها أو سوالها عما يعرض وتعن عندها.

(الجامع لاحکام القرآن ۱۷/۲۰۸)

’’یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ضرورت پیش آنے پر یا کسی مسئلے میں ان کی راے لینے کے لیے پردے کے پیچھے رہتے ہوئے امہات المومنین سے کوئی بات پوچھنے کی اجازت دی ہے۔ علت کی رو سے اس حکم میں باقی تمام عورتیں بھی داخل ہیں۔ نیز جیسا کہ گزر چکا، شریعت کے اصولوں کا مقتضا بھی یہی ہے کہ عورت کا پورا جسم اور اس کی آواز پوشیدہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ عورت کے جسم کو کھولنا جائز نہیں، سواے اس کے کہ کوئی ضرورت ہو، جیسا کہ عورت کے متعلق گواہی دینی ہو یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو یا عورت کے سامنے پیش آنے والے کسی واقعے کے متعلق اس سے استفسار کرنا ہو۔‘‘

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

زیر بحث آیت سے مسلمان خواتین کے لیے حجاب کے واجب ہونے کے موقف کی زیادہ نمایاں اور پرزور ترجمانی، دراصل دور جدید کے اہل علم کے ہاں ملتی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ ہدایت اگرچہ بہ ظاہر ازواج مطہرات کے حوالے سے دی گئی ہے، لیکن اس کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ گفتگو کرنے والوں اور امہات المومنین، دونوں کے دل پاک رہیں۔ چونکہ قلبی پاکیزگی کا اہتمام سبھی مردوں اور عورتوں سے مطلوب ہے، اس لیے اس سے یہ استدلال بالکل معقول ہے کہ سبھی خواتین کو غیر محرم مردوں سے حجاب کا اہتمام کرنا چاہیے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

’’اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ اختلاط، ان کا ایک مجلس میں بیٹھ

کر خوش گپیاں کرنا، دعوتوں میں باہم مل جل کر کھانا پینا، تفریحات میں ایک ساتھ شریک ہونا اسلام کی تہذیب نہیں ہے۔ یہ آیت بھی اگرچہ ظاہر الفاظ کے لحاظ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے متعلق معلوم ہوتی ہے، لیکن اس میں جو ہدایات دی گئی ہیں، وہ ان ہی سے متعلق نہیں ہیں، بلکہ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ بعینہٖ یہی ہدایات خود قرآن مجید کے اندر پوری اسلامی سوسائٹی کے لیے نازل ہوئی ہیں۔''

(اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام ۱۰۲)

ایک دوسرے مقام پر مولانا اس سوال کا جواب بھی دیتے ہیں کہ یہاں اس ہدایت میں خاص طور پر امہات المومنین کو کیوں مخاطب بنایا گیا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

''خطاب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ شروع شروع میں معاشرتی اصلاح کا یہ مشکل قدم آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں ہی سے اٹھایا گیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام امت کی خواتین کے لیے نمونہ ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کے اہل بیت پر ان ہدایات واحکام کی ذمہ داری زیادہ قوت اور شدت کے ساتھ عائد ہوتی تھی۔''

(قرآن میں پردے کے احکام ۷)

ان اہل علم کے نقطۂ نظر سے آیت حجاب میں اگر خصوص کا کوئی احتمال ہو سکتا ہے تو وہ آیت جلباب سے ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے ساتھ ساتھ تصریحاً آپ کی بیٹیوں اور مسلمانوں کی خواتین کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ایک بڑی چادر اپنے جسم پر ڈال لیا کریں تاکہ ان کے انداز لباس سے ان کے کردار کی شناخت ہو جائے اور اوباش لوگ انھیں اذیت پہنچانے کی جسارت نہ کر سکیں۔

اس آیت کی تفسیر میں صحابہ وتابعین کے آثار میں ادناء جلباب کی ایک صورت یہ نقل ہوئی ہے کہ پورے چہرے کو چادر میں چھپا کر صرف ایک آنکھ کو دیکھنے کے لیے ننگا رکھا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چادر کو پیشانی پر باندھ کر ناک پر ڈال دیا جائے، جس سے آنکھیں تو ننگی رہیں، لیکن چہرے کا زیادہ تر حصہ چھپ جائے۔ یہ دونوں صورتیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔ حسن بصری سے اس کا طریقہ یہ منقول ہے کہ چادر سے آدھے چہرے کو چھپا لیا جائے (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۱۷/ ۲۳۰)۔ وجوب حجاب کے قائل اہل علم ادناء جلباب کی پہلی صورت کو مطلوب اور آیت کی مراد تصور کرتے اور اس کی روشنی میں چہرے کو چھپا کر رکھنے کو خواتین پر واجب قرار دیتے ہیں۔

آیت حجاب سے متعلق اگر ان اہل علم کے سامنے یہ سوال تھا کہ اس میں خاص طور پر امہات المومنین کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ تو آیت جلباب سے متعلق یہ سوال ہے کہ یہاں سیاق و سباق میں منافقین کی فتنہ پردازی اور شر انگیزی کی ایک مخصوص صورت حال کا ذکر ہے، جس سے یہ امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ اسے ایک عمومی حکم کے بجائے مخصوص حالات میں تجویز کی گئی ایک حفاظتی تدبیر تصور کیا جائے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس اشکال کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس ٹکڑے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اول تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں، سب محرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ محرکات نہ ہوں تو وہ احکام کالعدم ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا تھا، کیا کوئی ذی ہوش یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں، البتہ حیا اور عفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔" (تدبر قرآن ۶/ ۲۷۰)

سورۂ نور کی ہدایت کی توجیہ

سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں 'وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ' کے الفاظ کلیدی ہیں۔ ان کی تشریح میں مفسرین صحابہ سے دو آرا نقل ہوئی ہیں:

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہاں زینت کو آرایش وزیبایش کے مفہوم میں لیتے ہیں اور 'اِلَّا مَا ظَهَرَ' کا مصداق ان کی راے میں عورت کا لباس ہے۔ گویا آیت کا مدعا یہ ہے کہ خواتین نے جو آرایش وزیبایش فطری طور پر کی ہو، وہ غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہیں کرنی چاہیے، البتہ انھیں اپنا ظاہری لباس چھپانے کی ضرورت نہیں۔

دوسری تشریح عبد اللہ ابن عباس، سیدہ عائشہ، عبد اللہ بن عمر، قتادہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے اور اس کی رو سے 'مَا ظَهَرَ مِنْهَا' صرف لباس تک محدود نہیں، بلکہ وہ زیبایش بھی اس کے مدلول میں داخل ہے جو عورت نے اپنے ظاہری اعضا پر کی ہو، مثلاً آنکھ کا سرمہ، رخسار پر لگایا گیا غازہ، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی، کلائی پر پہنے ہوئے کنگن اور ہاتھ پر لگی ہوئی منہدی وغیرہ (تفسیر الطبری ۱۷/ ۲۵۶-۲۶۱)۔

ان میں سے پہلی تشریح کی رو سے زیر بحث جملے کا چہرے کے پردے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں بنتا،

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کیونکہ آیت سرے سے جسمانی اعضا سے تعرض ہی نہیں کرتی۔ یوں پردے سے متعلق شریعت کی منشا جاننے کے لیے دیگر نصوص، یعنی سورۂ احزاب کی طرف رجوع ناگزیر ہے اور انھی کی روشنی میں زیر بحث ہدایت کا مفہوم متعین کرنا ضروری ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسری تفسیر کے مطابق یہ آیت تصریحاً چہرے کے پردے کا حکم واضح کرتی ہے، کیونکہ ہاتھ اور چہرے پر کی گئی زینت اگر چھپانے کا حکم نہیں ہے تو بدیہی طور پر ہاتھ اور چہرے کو بھی چھپانا لازم نہیں۔ چنانچہ بعض تفسیری آثار میں اسی کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ 'مَا ظَهَرَ مِنْهَا' سے مراد چہرہ، ہاتھ، کلائیاں اور پاؤں ہیں (تفسیر الطبری ۲۶۱/۱۷)۔

جو اہل علم خواتین کے لیے چہرے اور ہاتھ پاؤں کو کھلا رکھنے کے جواز کے قائل نہیں، وہ بدیہی طور پر مذکورہ آیت کی پہلی تفسیر کو قبول کرتے ہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ آیت مسئلۂ حجاب سے براہ راست متعلق نہیں رہتی۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ عربی زبان میں 'زینت' کا لفظ خلقی خوب صورتی کے لیے نہیں، بلکہ زیبایش کے لیے بولا جاتا ہے، اور اس کا مصداق چہرے اور ہاتھوں کی خوب صورتی نہیں، بلکہ خوب صورت کپڑے اور زیورات وغیرہ ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہاں جس زینت کو کھلا رکھنے کی رخصت دی گئی ہے، اس سے مراد عورت کے جسمانی اعضا، یعنی ہاتھ اور چہرہ وغیرہ نہیں، بلکہ وہ زیبایش ہے جو خواتین زیور اور لباس وغیرہ کی صورت میں اختیار کرتی ہیں۔ یوں خلقی زینت، یعنی چہرے اور ہاتھ پاؤں کو براہ راست 'مَا ظَهَرَ مِنْهَا' کا مصداق قرار دینے کی بنیاد باقی نہیں رہتی۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ زینت کے مفہوم میں چاہے جسمانی اعضا براہ راست داخل نہ ہوں، لیکن چونکہ چہرے اور ہاتھوں پر کی گئی زینت بہر حال ظاہری زینت کا مصداق ہے، اس لیے بالواسطہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کو کھلا رکھنے کی اجازت اس آیت سے واضح ہوتی ہے تو اس کا جواب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ چونکہ ان ہدایات کا مقصد فتنہ کے اسباب وذرائع کی روک تھام ہے، اس لیے حکم کی علت کی رعایت سے 'اِلَّا مَا ظَهَرَ' سے مراد ایسی زینت لینا ضروری ہے جس کے اظہار کے ساتھ عورت کے جسم کے کسی حصے کا نمایاں ہونا وابستہ نہ ہو۔

ابن الجوزی نے اس استدلال کو یوں واضح کیا ہے:

قَدْ نَصَّ عَلَيْهِ أحْمَدُ، فَقالَ: الزِّينَةُ الظّاهِرَةُ: الثِّيابُ، وكُلُّ شَيْءٍ مِنها عَوْرَةٌ	"امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ زینت ظاہرہ کا مصداق عورت کے کپڑے ہیں۔

حَتّى الظُّفْرُ، ويُفِيدُ هَذا تَحْرِيمَ النَّظَرِ إلى شَيْءِ مِنَ الأَجْنَبِيّاتِ لِغَيْرِ عُذْرٍ فإن كان لعذر مثل أن يريد أن يتزوجها أو يشهد عليها فإنه ينظر في الحالين إلى وجهها خاصة فأما النظر إليها لغير عذر فلا يجوز لا لشهوة ولا لغيرها وسواء في ذالك الوجه والكفان وغيرهما من البدن.(زادالمسیر ۶/۳۱-۳۲)

اس کے علاوہ عورت کے جسم کا ہر ہر حصہ، یہاں تک کہ ناخن بھی پوشیدہ ہونا چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی عذر کے بغیر اجنبی عورتوں کے جسم کے کسی حصے کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ اگر کوئی عذر ہو، مثلاً آدمی کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہو یا اس کے متعلق گواہی دینے کی ضرورت ہو تو دونوں صورتوں میں وہ صرف اس کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے۔ عذر کے بغیر عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں، چاہے شہوت کی حالت میں ہو یا اس کے بغیر۔ اس میں عورت کے چہرہ، ہاتھ اور جسم کے باقی اعضا کا حکم ایک ہی ہے۔''

علامہ شنقیطی لکھتے ہیں:

أَظْهَرُ القَوْلَيْنِ المَذْكُورَيْنِ عِنْدِي قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ -: أَنَّ الزِّينَةَ الظّاهِرَةَ هي ما لا يَسْتَلْزِمُ النَّظَرُ إلَيْها رُؤْيَةَ شَيْءٍ مِن بَدَنِ المَرْأةِ الأجْنَبِيَّةِ، وإنَّما قُلْنا: إنَّ هَذا القَوْلَ هو الأظْهَرُ؛ لِأنَّهُ هو أحْوَطُ الأقْوالِ، وأبْعَدُها عَنْ أسْبابِ الفِتْنَةِ، وأطْهَرُها لِقُلُوبِ الرِّجالِ والنِّساءِ، ولا يَخْفى أنَّ وجْهَ المَرْأةِ هو أصْلُ جَمالِها ورُؤْيَتَهُ مِن أعْظَمِ أسْبابِ الِافْتِتانِ بِها؛ كَما هو مَعْلُومٌ والجارِي

''میرے نزدیک ان دونوں میں سے زیادہ درست تشریح ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشریح ہے کہ ظاہری زینت سے مراد وہ زینت ہے جس کی طرف دیکھنے کے لیے غیر محرم عورت کے جسم کے کسی حصے کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ ہم نے اس کو زیادہ درست اس لیے قرار دیا کہ یہی محتاط ترین بات ہے، اسی سے فتنے کے اسباب سے زیادہ دور رہا جا سکتا ہے اور یہی مردوں اور عورتوں کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ عورت کا چہرہ ہی اس کی خوب صورتی کا اصل مظہر ہے اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَلى قَواعِدِ الشَّرْعِ الكَرِيمِ، هو تَمامُ المُحافَظَةِ، والِابْتِعادُ مِنَ الوُقُوعِ فِيما لا يَنْبَغِي.(اضواء البیان ۶/۲۲۳)

چہرے کو دیکھنا، عورت پر فریفتگی کے نمایاں ترین اسباب میں سے ہے، جیسا کہ معلوم ہے۔ شریعت مطہرہ کے قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اس ضمن میں مکمل احتیاط اختیار کی جائے اور ناجائز امور میں مبتلا ہونے سے بالکل دور رہا جائے۔“

متاخرین احناف میں سے قاضی ثناء اللہ مظہری اور دور جدید کے حنفی اہل علم میں سے علامہ صابونی نے بھی حکم کے مقصد اور علت کے پہلو سے آیت کی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے (تفسیر المظہری ۶/۳۷۸۔ روائع البیان ۲/۱۵۶-۱۵۷)۔

اس موقف کی تائید میں ان میں سے بعض اہل علم یہ نکتہ بھی شامل کرتے ہیں کہ 'اِلَّا مَا ظَهَرَ' کی تعبیر کسی زینت کے ناگزیر طور پر کھلا ہونے پر دلالت کرتی ہے، یعنی ایسی زینت جسے چھپانے کا اہتمام ناممکن یا شدید حرج اور مشقت کا موجب ہو۔ اس لحاظ سے بھی اس کا مصداق لباس کی زینت ہی ہو سکتی ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح ایسے اظہار زینت کو بھی اس کا مصداق مانا جا سکتا ہے جو بلا ارادہ اور اضطراری ہو۔ گویا مراد یہ ہے کہ جان بوجھ کر تو زینت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں، لیکن جو زینت اٹھتے بیٹھتے اور حرکت کرتے ہوئے از خود ظاہر ہو جائے، اس پر مواخذہ نہیں۔

ممتاز سلفی عالم علامہ ابن عثیمین فرماتے ہیں:

وعلى هذا يكون الاستثناء عائدًا على ما يبدو من الثياب الذي لا بد من ظهوره؛ وذالك لأنها لو حرّم عليها حتى الثياب التي تبدو ولا بد من ظهورها لوجب عليها أن تبقى في البيت؛ إذ لا يمكن تطبيق هذا الأمر إلا بذالك وهذا أمر لم يكلّف الله به. إذن تبيّن أن الراجح

”اس تشریح کے مطابق استثنا کا تعلق عورت کے کپڑوں سے ہے، جن کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے، کیونکہ اگر کپڑوں کو ظاہر کرنا بھی حرام قرار دیا جاتا، جن کے ظاہر ہوئے بغیر کوئی چارہ نہیں تو پھر اس کا لازمی تقاضا یہ ہوتا کہ عورت بس گھر کے اندر رہے، کیونکہ اس حکم پر اس کے بغیر عمل ممکن نہیں، لیکن یہ پابندی اللہ تعالیٰ نے عائد نہیں کی۔ اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ 'اِلَّا مَا ظَهَرَ' کے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

في قوله: ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ﴾ ما ظهر من اللباس يعني مثل ما مثل به ابن مسعود رضي الله عنه الجلباب والرداء والعباءة وما أشبهه يعني الشيء الذي لا بد من ظهوره وظهوره ضروري فهو مباح.(تفسیر ابن عثیمین، سورۂ نور ۱۶۷)	مصداق کے متعلق راجح بات یہی ہے کہ اس سے مراد لباس کا ظاہری حصہ ہے، جس کی مثال ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دی ہے، مثلاً جلباب، چادر، عبایہ وغیرہ، یعنی ایسی چیزیں جن کا ظاہر ہونا ناگزیر ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تو وہ مباح ہیں۔''

مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اس تعبیر کا مفہوم ''ناگزیر طور پر ظاہر ہو'' کے الفاظ سے بیان کیا ہے، جب کہ مولانا مودودی نے ان دونوں نکتوں کو جمع کرتے ہوئے آیت کا مدعا یوں واضح کیا ہے:

''صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اس کا اظہار اور اس کی نمائش نہ کرنی چاہیے، البتہ جو آپ سے آپ ظاہر ہو جائے (جیسے چادر کا ہوا سے اڑ جانا اور کسی زینت کا کھل جانا) یا جو آپ سے آپ ظاہر ہو (جیسے وہ چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے، کیونکہ بہر حال اس کا چھپانا تو ممکن نہیں ہے اور عورت کے جسم پر ہونے کی وجہ سے بہر حال وہ بھی اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے)، اس پر خدا کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا حضرت عبد اللہ بن مسعود، حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین نے 'ما ظهر منها' کا مطلب لیا ہے 'ما يظهره الانسان على العادة الجارية' (جسے عادۃً انسان ظاہر کرتا ہے)، اور پھر وہ اس میں منہ اور ہاتھوں کو ان کی تمام آرائشوں سمیت شامل کر دیتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ عورت اپنے منہ کو مسی اور سرمے اور سرخی پاوڈر سے اور اپنے ہاتھوں کو انگوٹھی چھلے اور چوڑیوں اور کنگن وغیرہ سے آراستہ کر کے لوگوں کے سامنے کھولے پھرے۔ یہ مطلب ابن عباس اور ان کے شاگردوں سے مروی ہے اور فقہاء حنفیہ کے ایک اچھے خاصے گروہ نے اسے قبول کیا ہے (احکام القرآن جصاص جلد ۳ ص ۳۸۸-۳۸۹) لیکن ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ 'ما ظهر' کے معنی 'ما يظهر' عربی زبان کے کس قاعدے سے ہو سکتے ہیں۔ ''ظاہر ہونے'' اور ''ظاہر کرنے'' میں کھلا ہوا فرق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن صریح طور پر ''ظاہر کرنے'' سے روک کر ''ظاہر ہونے'' کے معاملے میں رخصت دے رہا ہے۔'' (تفہیم القرآن ۳/۳۸۵)

مذکورہ توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ زیر بحث آیت میں چہرے اور ہاتھ پاؤں کو ارادتاً کھلا رکھنے پر سرے سے

کوئی دلالت نہیں پائی جاتی۔

اس تشریح پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے، جس سے عموماً اس نقطۂ نظر کے قائلین تعرض نہیں کرتے، تاہم علامہ ابن عثیمین نے اس کو محسوس کرتے ہوئے اس کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید نے یہاں سر پر اوڑھنی رکھنے اور اسی اوڑھنی سے سینے کے گریبان کو ڈھانکنے کی ہدایت دی ہے، لیکن درمیان میں چہرے کا ذکر نہیں کیا، اگر چہرے کو چھپانا بھی مطلوب تھا تو اس کی تصریح کیوں نہیں کی گئی اور کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ چہرے کو چھپانے کی پابندی عائد کرنا یہاں پیش نظر نہیں؟

ابن عثیمین نے اس اشکال کا جواب یوں دیا ہے کہ چہرے کو چھپانے کا حکم دراصل اوڑھنی کو سینے پر ڈالنے کے حکم میں مضمر ہے اور مراد یہ ہے کہ خاتون کو سر کی اوڑھنی اس طرح گریبان پر ڈالنی چاہیے کہ سر اور گریبان کے درمیان چہرہ بھی اس میں مستور ہو جائے۔ لکھتے ہیں:

إن الله سبحانه وتعالى أمر أن تضرب المرأة بخمارها على جيبها، ولا زم ذالك أن ينزل من رأسها إلى الجيب. فهل المراد بضرب الخمار على الجيب أن يكون من تحت الوجه بحيث يبقى الوجه مكشوفًا والجيب مستورًا؟ أو أن المعنى أن تضرب بالخمار على الجيب مارًّا بالوجه؟ لأن هذا هو الأقرب، لأن الخمار ينزل من أعلى لأنه فوق الرأس، ثم الجيب إذا وجب ستره فالوجه من باب أولى.

(تفسیر ابن عثیمین، سورۂ نور ۱۶۸)

”اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورت اپنی اوڑھنی کو اپنے گریبان پر ڈال لے۔ اوڑھنی لازماً سر سے گریبان کی طرف نیچے آئے گی۔ تو کیا مراد یہ ہے کہ اوڑھنی کو چہرے کے نیچے سے لا کر اس طرح گریبان پر ڈالا جائے کہ چہرہ ننگا رہے اور گریبان چھپ جائے؟ یا مراد یہ ہے کہ اوڑھنی کو چہرے کے اوپر سے گزار کر گریبان پر ڈالا جائے؟ یہ دوسری بات ہی زیادہ درست ہے، کیونکہ اوڑھنی اوپر سے نیچے آتی ہے، کیونکہ وہ سر کے اوپر ہوتی ہے۔ پھر جب گریبان کو اس طرح ڈھانپنا واجب ہے تو (درمیان میں) چہرے کا ڈھانپنا بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔“

اس کے علاوہ بعض دیگر توجیہات میں ’اِلَّا مَا ظَهَرَ‘ کے اس مفہوم کو تو درست تسلیم کیا گیا ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں اور آیت کی رو سے انھیں کھلا رکھنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے، لیکن اسے ایک عمومی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اجازت کا درجہ دینے کے بجاے بعض خاص حالات سے متعلق قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ متاخرین شوافع کے ہاں یہ زاویۂ نظر ملتا ہے کہ سورۂ نور میں بیان کی گئی رخصت کی حیثیت ایک عمومی اجازت کی نہیں، بلکہ یہ یا تو حالت نماز سے متعلق ہے یا اس سے معاشرتی زندگی میں ضرورت اور مجبوری کے ان حالات میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، جن میں پردے کا اہتمام مشقت کا موجب ہو۔ قاضی بیضاوی لکھتے ہیں:

والمُسْتَثْنى هو الوَجْهُ والكَفّانِ لِأنَّها لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ والأظْهَرُ أنَّ هَذا في الصَّلاةِ لا في النَّظَرِ فَإنَّ كُلَّ بَدَنِ الحُرَّةِ عَوْرَةٌ لا يَحِلُّ لِغَيْرِ الزَّوْجِ والمَحْرَمِ النَّظَرُ إلى شَيْءٍ مِنها إلّا لِضَرُورَةٍ كالمُعالَجَةِ وَتَحَمُّلِ الشَّهادَةِ. (انوار التنزیل واسرار التاویل ۴/ ۱۰۴)

”چہرہ اور دونوں ہاتھ اخفا کے حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ یہ ستر کا حصہ نہیں ہیں۔ واضح تر بات یہ ہے کہ ان کو ننگا رکھنے کی اجازت نماز سے متعلق ہے، دیکھنے کے حوالے سے نہیں، کیونکہ آزاد عورت کا سارا جسم چھپا ہوا ہونا چاہیے اور شوہر اور محرم رشتہ داروں کے علاوہ دوسروں کے لیے عورت کے جسم کے کسی حصے کو دیکھنا حلال نہیں، الّا یہ کہ کوئی ضرورت پیش آ جائے، جیسے علاج کرانا اور کسی معاملے میں گواہ بننا۔“

دور جدید کے بعض حنفی اہل علم نے بھی اسی زاویۂ نظر کی ترجمانی کی ہے۔ مثلاً مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

”ضرورت کے وقت عورت کو اگر اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں تک ہاتھ کھولنے پڑیں تو اس آیت نے اس کی بھی اجازت دی ہے، لیکن چونکہ چہرہ ہی عورت کے حسن کا اصل مرکز ہوتا ہے، اس لیے عام حالات میں اس کو بھی چھپانے کا حکم ہے جیسا کہ سورۂ احزاب (۳۳- ۵۹) میں بیان فرمایا گیا ہے، البتہ صرف ضرورت کے مواقع پر اسے کھولنے کی اجازت ہے۔“ (آسان ترجمۂ قرآن ۱۰۷۴)

امام ابن تیمیہ نے اس ضمن میں ایک منفرد طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے یہ قرار دیا ہے کہ اس آیت سے چہرے اور ہاتھ پاؤں کو کھلا رکھنے کی اجازت تو یقیناً ثابت ہوتی ہے، لیکن یہ شریعت کا کوئی محکم حکم نہیں، بلکہ منسوخ ہو چکا ہے۔ ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ حجاب سے متعلق احکام کے نزول میں ایک تدریج پائی جاتی ہے اور سورۂ احزاب کی ہدایات کو اس ضمن میں آخری شرعی حکم کی حیثیت حاصل ہے جس کے بعد سورۂ نور میں چہرے اور ہاتھوں کو کھلا رکھنے کے حوالے سے دی جانے والی گنجایش منسوخ ہو چکی ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وكانوا قبل أن تنزل آية الحجاب كان النساء يخرجن بلا جلباب يرى الرجل وجهها ويديها وكان إذ ذاك يجوز لها أن تظهر الوجه والكفين وكان حينئذ يجوز النظر إليها لأنه يجوز لها إظهاره ثم لما أنزل الله عزوجل آية الحجاب بقوله: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ حجب النساء عن الرجال. (مجموع الفتاوىٰ ۲۲/۱۱۰)

”آیت حجاب کے نزول سے پہلے عورتیں بڑی چادر کے بغیر باہر نکلا کرتی تھیں اور غیر محرم مرد ان کے چہروں اور ہاتھوں کو دیکھ سکتے تھے۔ اس وقت خواتین کے لیے چہرے اور ہاتھوں کو ننگا کرنا جائز تھا اور چونکہ ان کے لیے ان اعضا کو ظاہر کرنا جائز تھا، اس لیے ان کی طرف مردوں کا دیکھنا بھی جائز تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حجاب کی آیت نازل فرما دی تو عورتوں کو مردوں سے حجاب میں رہنے کا پابند کر دیا گیا۔“

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

امام ابن تیمیہ کے اس استدلال کے تتبع میں بہت سے معاصر اہل علم ان تمام احادیث کو بھی آیت حجاب کے نزول سے مقدم قرار دے کر منسوخ تصور کرتے ہیں جن سے مردوں کے لیے غیر محرم خواتین کو دیکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

بہر حال، وجوب حجاب کے قائلین سورۂ نور کی آیت کی دلالت پر سوال اٹھائیں یا اس اجازت کو حالت ضرورت سے متعلق قرار دیں یا منسوخ تصور کریں، ان سب صورتوں میں وہ اس باب میں عمومی شرعی حکم کا ماخذ نہیں بن سکتی۔ ان حضرات کے نزدیک عمومی حکم کا ماخذ سورۂ احزاب کی وہ آیات ہیں جنھیں آیت حجاب اور آیت جلباب کا عنوان دیا جاتا ہے۔

[باقی]

محمد وسیم اختر مفتی

مہاجرین حبشہ

(۲۳)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ

قبیلہ اور کنبہ

حضرت عبد اللہ بن حذافہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا قیس بن عدی قریش کے نام ور سردار تھے۔ بانی قبیلہ سہم بن عمروان کے پانچویں جد تھے۔ حضرت عبد اللہ کی والدہ تمیمہ بنت حرثان بنو حارث سے تعلق رکھتی تھیں۔ بنو سہم سے تعلق رکھنے کی وجہ سے حضرت عبد اللہ سہمی کہلاتے ہیں، بنو سہم قریش کا ذیلی قبیلہ ہے اور قریش کنانہ بن خزیمہ کی اولاد ہیں، اس لیے انھیں قرشی اور کنانی کی نسبتوں سے بھی پکارا جاتا ہے۔ ابو حذافہ یا ابو حذیفہ ان کی کنیت تھی۔ حضرت قیس بن حذافہ ان کے سگے اور حضرت خنیس بن حذافہ سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت حفصہ بنت عمر حضرت خنیس کی وفات تک ان کی زوجیت میں رہیں۔ ایک بھائی ابو الاخنس بن حذافہ کا صحابی ہونا تسلیم نہیں کیا گیا۔

نعمت ایمان

حضرت عبد اللہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے۔ ذہبی اور ابن حجر انھیں 'السّبقون الأولون'

میں بتاتے ہیں، حالاں کہ ان کا نہیں، بلکہ ان کے بھائی حضرت خنیس کا نام 'السّٰبقون الأولون' کی فہرست میں شامل ہے۔

بعثت نبوی کے بعد ابوسفیان اور عباس بن عبد المطلب ایک تجارتی قافلے کے ساتھ یمن گئے۔ وہاں ابوسفیان نے عباس سے پوچھا: تمھارا بھتیجا رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے؟ عباس نے کہا: میرا خیال ہے، وہ سچ کہتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: تب تو ہم پر بہت مصیبتیں ٹوٹیں گی۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عبد اللہ بن حذافہ بھی وہاں پہنچ گئے جو نئے نئے اسلام لائے تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر ان کی زبانی یہودی علما تک پہنچ گئی۔ ایک یہودی عالم نے آپ میں تورات کی بتائی ہوئی ساری نشانیاں پائیں تو اچھل کر کہا: یہود قتل ہو گئے، یہود مارے گئے۔

سوے حبشہ

شوال ۵ھ: مکہ کے مسلمانوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم ہوا تو حضرت عبد اللہ بن حذافہ حضرت جعفر بن ابوطالب کی قیادت میں حبشہ کو ہجرت کرنے والے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے۔ ان کے بھائی حضرت خنیس بن حذافہ، حضرت قیس بن حذافہ، ان کے چچا حارث بن قیس سہمی کے سات بیٹے، بنو سہم کے حضرت ہشام بن العاص، حضرت عمیر بن رئاب، حضرت سعید بن عمرو اور بنو سہم کے حلیف حضرت محمیہ بن جزء ان کے ہم سفر تھے۔

حبشہ سے واپسی

حضرت عبد اللہ بن حذافہ جنگ بدر کے بعد کسی وقت مدینہ پہنچے۔ وہ حبشہ سے لوٹنے والے حضرت عبد اللہ بن جعفر کے قافلے میں شامل نہ ہوئے۔ ان کے بھائی حضرت قیس بن حذافہ اور بنو سہم کے دیگر آٹھ اصحاب حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت حارث بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت بشر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت سائب بن حارث، حضرت سعید بن عمرو اور حضرت عمیر بن رئاب اسی زمرہ میں شامل تھے۔ ان کے سفر مدینہ کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی۔ حضرت عبد اللہ کے دوسرے بھائی حضرت خنیس بن حذافہ ان سے قبل مکہ آ چکے تھے اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی۔

غزوات

حضرت عبد اللہ بن حذافہ جنگ بدر کے بعد حبشہ سے مدینہ پہنچے، اس لیے غزوۂ فرقان میں شریک نہ

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہو سکے۔ اصحاب بدر کی مرتبہ فہارس میں ان کا نام شامل بھی نہیں (ابن ہشام، ابن جوزی، ابن کثیر، سلیمان منصورپوری)۔ البتہ غزوۂ احد اور بعد کی جنگوں میں انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا۔ ایک شاذ روایت کے مطابق حضرت ابوسعید خدری نے انھیں بدری صحابی قرار دیا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت

ذی الحجہ ۶ھ یا ۷ھ: صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس زمانے کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دیں، چنانچہ ان اصحاب کا انتخاب کیا جو آپ کے سفیر بن کر آپ کے مراسلے ان بادشاہوں تک پہنچائیں۔ آپ نے شاہ ایران خسرو پرویز کی طرف بھیجنے کے لیے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو منتخب فرمایا۔ نبی آخر الزماں کے سفرا کے لیے علم و فصاحت، صبر و شجاعت، حکمت و تدبیر اور حسن مظہر کی خوبیوں سے متصف ہونا ضروری تھا۔ حضرت عبداللہ ان اوصاف کے حامل ہونے کے ساتھ ایرانی معاشرے اور زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ آپ نے قیصر روم کی طرف حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی، شاہ حبشہ نجاشی کی طرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری، اسکندریہ کے حکمران مقوقس کی طرف حضرت حاطب بن ابو بلتعہ، نصرانی حاکم غسان کی طرف حضرت شجاع بن وہب اسدی، یمامہ کے ہوذہ بن علی کی جانب حضرت سلیط بن عمرو عامری اور عبدالقیس کی طرف حضرت علاء بن حضرمی کو روانہ فرمایا۔ یہ سب ان علاقوں کی زبان بولتے تھے۔ تمام سفرا کو جمع کر کے آپ نے خصوصی خطبہ دیا اور فرمایا: تمھارا سفر بہت اہم ہے، بنی اسرائیل کی طرح میرے احکام کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی حواریوں کو ایسا حکم دیا تھا، کچھ خوشی سے بجا لائے، کچھ نے ناپسند کیا۔ صحابہ نے یقین دلایا: آپ جہاں چاہتے ہیں، ہمیں بھیجیں، ہم آپ کا فرمان بجا لائیں گے۔

مکتوب نبوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے شاہ ایران کسریٰ کی جانب۔ اس شخص پر سلامتی ہو جس نے راہ ہدایت کی پیروی کی، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تاکہ ان لوگوں کو خبردار کروں جو زندہ ہیں اور منکروں کے خلاف اللہ کا فیصلہ سچا ثابت ہو جائے 'لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ' (یٰس ۳۶: ۷۰)۔ اسلام لے آؤ، سلامتی پاؤ گے۔ اگر تم نہیں مانو

گے تو ان تمام مجوسیوں کے گناہ کا بوجھ بھی تم کو اٹھانا ہو گا جو تمھاری پیروی کریں گے، (یعنی پیرو کار تو گناہ گار ہوں گے، ان کے گناہوں کے ہم مثل گناہ تم کو بھی ملے گا)۔

شاہ ایران کا ردعمل

حضرت عبداللہ بن حذافہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ایران کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک ماہ کی مسافت طے کرنے کے بعد وہ دارالحکومت پہنچے اور بادشاہ کا محل تلاش کیا۔ فوجیوں اور پہرے داروں نے محل کو گھیر رکھا تھا۔ حضرت عبداللہ نے بتایا کہ وہ بادشاہ کے نام خط لے کر آئے ہیں۔ کسریٰ کو اطلاع ملی تو اس نے ایوان حکومت آراستہ کرایا اور امرا و مصاحبین کو بلا لیا۔ حضرت عبداللہ سر اٹھا کر مضبوط قدموں سے چلتے ہوئے ملاقات کے ہال میں داخل ہوئے۔ کسریٰ نے انھیں سادہ دیہاتی لباس پہنے، پرانی عبا اوڑھے پایا تو نظر حقارت سے دیکھا۔ اس نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا کہ وہ خط پکڑ لے، لیکن حضرت عبداللہ بن حذافہ مصر رہے کہ مکتوب نبوی بادشاہ کے ہاتھ میں خود دیں گے۔ بادشاہ نے خط پکڑا اور حیرہ کے ایک عالم کو اس کا ترجمہ سنانے کو کہا۔ جونہی اس نے سنا کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کے نام کے بجاے اپنے نام سے مکتوب کی ابتدا کی ہے تو وہ غضب ناک ہو گیا اور نفس مضمون سنے بغیر اسے پھاڑ دیا۔ اس نے حضرت عبداللہ کو بھی دربار سے نکلنے کا حکم دیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کی آتش غضب ٹھنڈی ہوئی تو اس نے حضرت عبداللہ کو واپس بلانے کا کہا، لیکن وہ جا چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط چاک کرنے کی خبر ہوئی تو فرمایا: اللہ نے اس کی سلطنت چاک کر دی ہے۔ آپ کا فرمان ہے: کسریٰ مر گیا ہے، اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ آئے گا اور جب قیصر مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ آئے گا (بخاری، رقم ۳۰۲۷۔ مسلم، رقم ۷۴۳۳۔ ترمذی، رقم ۲۲۱۶)۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت مختلف ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو خط دے کر بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ اسے بحرین کے حکمران (منذر بن ساوی) کے حوالے کرنا اور اس نے آگے کسریٰ کو پہنچایا (بخاری، رقم ۴۴۲۴۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، رقم ۴۰۴۔ احمد، رقم ۲۰۸۷۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۸۷۹۵)۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ کے جانے کے بعد دجلہ و فرات میں غیر معمولی طغیانی آئی، سیلاب نے فصلیں تباہ کر دیں اور کسریٰ کی کئی تعمیرات منہدم ہو گئیں۔ کسریٰ خود دریا کے شگافوں پر بند باندھنے نکلا، لیکن پانی کے بہاؤ کے آگے مغلوب ہو گیا (فتوح البلدان، بلاذری ۴۱۰)۔

باذان کے کارندوں کو جواب

حضرت عبداللہ بن حذافہ کے جانے کے بعد کسریٰ نے یمن کے ایرانی گورنر باذان کو خط لکھا کہ دو مسٹنڈے بھیج کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میرے پاس لے آؤ۔ باذان نے اس مقصد کے لیے اپنے داروغہ بابویہ (نابوہ: ابن اثیر۔ اباذویہ: ابن کثیر) اور ایک ایرانی خر خسرہ (خر خرہ: ابن کثیر) کو بھیجا۔ یہ دونوں آپ کے پاس مدینہ پہنچے اور بتایا کہ ہم کسریٰ کے گورنر باذان کے حکم پر آپ کو لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ کوئی ردعمل دینے کے بجاے آپ مسکرائے اور فرمایا: آج کا دن اپنی سواریوں کے پاس ٹھیرو اور کل آنا۔ اگلے دن وہ آئے تو فرمایا: رات (۱۰ جمادی الاولیٰ ۷ھ) کسریٰ کو اس کے بیٹے نے مار ڈالا ہے۔ جلد ہی ہماری حکومت کسریٰ کے زیر قبضہ ملک تک پہنچ جائے گی۔ باذان کو کہہ دو کہ مسلمان ہو جاؤ، ہم تمھاری حکومت تمھارے پاس رہنے دیں گے۔ آپ نے خر خرہ کو سونے اور چاندی جڑا ہوا کمر بند بھی دیا۔ باذان کو کچھ دنوں کے بعد کسریٰ کے بیٹے شیروان کے بادشاہ بننے کی خبر ملی، وہ آپ کی پیش گوئی سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال شمس کے بعد ظہر کی نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد منبر پر کھڑے ہوئے، قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا: بڑے بڑے معاملات میرے سامنے عیاں ہو گئے ہیں، مجھ سے جو بھی کچھ پوچھنا چاہتا ہے پوچھ لے۔ واللہ، میں جب تک یہاں کھڑا ہوں، تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں سوال کرو گے، میں بتاؤں گا۔ آپ کا فرمان سن کر صحابہ زار و قطار رونے لگے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہو گئے اور پوچھا: یا رسول اللہ، میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حذافہ تمھارے والد ہیں۔ آپ بار بار فرماتے رہے: مجھ سے سوال کرو تو حضرت عمر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہا: ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ تب آپ نے سکوت فرمایا (بخاری، رقم ۵۴۰۔ مسلم، رقم ۶۱۹۵۔ احمد، رقم ۱۲۶۵۹۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۶۹۸۔ صحیح ابن حبان، رقم ۱۰۶)۔ حضرت عبداللہ کی والدہ نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ تم سے زیادہ کوئی بیٹا ماں باپ کا حق ناشناس ہو۔ تو اس بات پر مطمئن ہے کہ تیری ماں نے زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کی طرح بدکاری کی ہو اور تو اسے لوگوں کی نظروں میں رسوا کر دے۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا: واللہ، اگر تو مجھے سیاہ فام غلام سے منسوب کر دیتی تو بھی مان لیتا (مسلم، رقم ۶۱۹۶)۔ دوسری روایت میں اضافہ ہے: حذافہ بن قیس کی ماں نے شریف بیٹا جنا تھا، بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت عبداللہ کی والدہ کا ردعمل متضاد بتایا گیا ہے۔ انھوں نے کہا: بچے، تو نے آج اپنی

ماں کو عظیم مقام پر فائز کر دیا ہے۔ کیا بنتا، اگر آپ دوسری بات فرما دیتے (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، رقم ۴۰۴۔ مسند الشاشی، رقم ۹۷۶۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر، رقم ۳۳۱۸)۔

اللہ کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَـكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَـكُمۡ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ. (المائدہ ۵: ۱۰۱)

''اے ایمان لانے والو، ایسی باتوں کے بارے میں سوال نہ کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں ناگوار ہوں۔ اور اگر تم اس وقت پوچھو گے جب قرآن نازل ہو رہا ہو تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ اللہ نے ایسی باتوں سے درگزر فرمایا اور اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ مسلمان ہے جو ایسے معاملے کے بارے میں سوال کر بیٹھے جو حرام تو نہ تھا، لیکن اس ایک شخص کے پوچھنے پر سب لوگوں پر حرام قرار پایا (مسلم، رقم ۶۱۹۱)۔ ان ارشادات کی روشنی میں اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بار بار سوال کرنے کا کیوں کہا اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے اپنے نسب کے بارے میں استفسار کیوں کیا؟ قاضی عیاض کہتے ہیں: سوال کرنا اصل میں مباح ہے، لیکن ایک سوال پر اصرار کرنے یا بہ تکلف سوال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ آپ کے خطاب کے وقت صحابہ رو رہے تھے اور حضرت عمر کی التجا پر آپ نے سکوت فرمایا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ پر جلالی کیفیت طاری تھی۔ ایک روایت میں وضاحت ہے کہ حضرت عمر نے اللہ و رسول پر اور دین اسلام پر راضی ہونے کا اعلان کیا تو آپ کا غصہ جاتا رہا۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے اپنے نسب کا اس لیے پوچھا کہ کچھ لوگ اس بارے میں ان پر طعن زنی کرتے تھے اور انھوں نے اس موقع کو دفع طعن کے لیے غنیمت جانا (اکمال المعلم بفوائد المسلم، قاضی عیاض ۷/ ۳۳۲-۳۳۳۔ تکملہ فتح الملہم، تقی عثمانی ۱۰/ ۵۱۲)۔

حضرت خالد بن ولید کا عمل اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ

فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا۔ آپ کا مقصد قتال کے بجائے اسلام کا پیغام پہنچانا تھا۔ بنو جزیمہ کے لوگوں نے ہتھیار اٹھائے تو حضرت خالد نے کہا: اب اسلحہ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ بنو جذیمہ کے جحدم نے کہا: یہ خالد ہے، ہتھیار پھینکنے کے بعد قید کرتا ہے اور پھر

گردن اڑا دیتا ہے۔ اہل قبیلہ نے پھر بھی ہتھیار ڈال دیے تو حضرت خالد نے واقعی قتل و غارت شروع کر دی اور کئی لوگوں کو قید کر لیا، پھر حکم دیا کہ ہر شخص اپنا قیدی قتل کر دے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے ان کا حکم نہ مانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملے کا پتا چلا تو دریافت فرمایا: کیا کسی نے ان کو منع بھی کیا؟ لوگوں نے بتایا: عبد اللہ بن عمر اور سالم مولیٰ ابو حذیفہ نے روکا تو خالد نے ڈانٹ پلا دی۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے دو بار اظہار براءت کیا: اے اللہ، میں خالد کی کارروائی سے بری الذمہ ہوں (بخاری، رقم ۴۳۳۹۔ احمد، رقم ۶۳۸۲)۔ مقتولین کی دیتیں ادا کرنے کے لیے آپ نے حضرت علی کو بھیجا۔

کسی نے حضرت خالد بن ولید کو ان کے عمل پر ملامت کی تو انھوں نے کہا: میں نے اس وقت تک قتال نہ کیا تھا جب تک عبد اللہ بن حذافہ سہمی نے مجھے مشورہ نہ دیا۔ انھوں نے کہا: آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ اسلام نہیں لائے۔

منفرد مزاح

ربیع الثانی ۹ھ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی کی قیادت میں ان کے بھائی حضرت وقاص بن مجزز کا بدلہ لینے کے لیے تین سو صحابہ پر مشتمل ایک سریہ خیبر کی طرف بھیجا۔ دوسری روایت کے مطابق حبشہ کے کچھ لوگ جدہ پر حملہ کرنے آئے تو آپ نے یہ مہم بھیجی۔ حضرت علقمہ نے ان کا پیچھا کیا اور سمندر میں داخل ہو کر ایک جزیرے تک پہنچ گئے، تب اہل حبشہ بھاگ نکلے۔ یہ طے تھا کہ واپسی پر کچھ اصحاب جلد لوٹ آئیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ کو ان کا امیر مقرر کر رکھا تھا۔ حضرت عبد اللہ کبار صحابہ میں سے تھے، لیکن ہنسی، دل لگی کا ذوق رکھتے تھے۔ راستے میں لوگوں نے کھانے پکانے کے لیے آگ جلائی تو انھوں نے ساتھیوں سے پوچھا: کیا میری اطاعت تم پر واجب نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں ہے۔ کہا: تو میں جس چیز کا حکم دوں، مانو گے؟ سب نے کہا: ہاں۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے کہا: تو میں اپنے حق اطاعت کی بنا پر تمھیں تاکید کرتا ہوں کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ کچھ صحابی اٹھے، حضرت عبد اللہ کو گمان ہوا کہ وہ آگ میں کودنے لگے ہیں تو بولے: بیٹھو، بیٹھو، میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا۔ واپسی پر صحابہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو فرمایا: امرا میں سے جو تمھیں معصیت کا حکم دے، اس کی اطاعت نہ کرو (ابن ماجہ، رقم ۲۸۶۳۔ احمد، رقم ۱۱۶۳۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۴۳۹۷۔ مسند ابویعلیٰ، رقم ۱۳۴۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۴۵۵۸)۔

انصاری یا سہمی

امام بخاری نے ''سرية عبد الله بن حذافة السهمي و علقمة بن مجزز المدلجي'' کا عنوان قائم کر کے لکھا: کہا جاتا ہے کہ یہ سریہ انصار کا تھا۔ پھر بعینہٖ یہی واقعہ ایک انصاری صحابی سے منسوب کر دیا (بخاری، رقم ۴۳۴۰)۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر نے اس تضاد کی جو تاویلات پیش کی ہیں، دل کو نہیں لگتیں، کہتے ہیں: ۱۔ ہو سکتا ہے، یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہو، یعنی ایک بار حضرت عبد اللہ بن حذافہ اور دوسری بار انصاری صحابی نے جن کا نام نہیں بتایا گیا، آگ میں ڈالنے کا حکم دے کر مذاق کیا ہو۔ ۲۔ انصار سے اس کے اصطلاحی نہیں، بلکہ لغوی معنی مراد ہوں، یعنی حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے اس سریہ میں شرکت کر کے نصرت رسول کی۔ اس تاویل کا تتبع کرتے ہوئے قسطلانی نے 'رجلًا من الأنصار' کا ترجمہ عبد اللہ بن حذافہ سہمی کر دیا (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ۶/ ۴۱۷)۔ ان تاویلوں کے بجائے ابن جوزی کا قول درست لگتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سہمی کے بجائے انصاری کہہ دینا کسی راوی کا وہم ہے۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی تھے، انصاری نہ تھے۔ ابن جوزی کی بات مان لینے سے بخاری کے عنوان اور اس کے تحت بیان کی ہوئی حدیث کا تضاد ختم ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں یہ واقعہ دو روایتوں (ارقام ۴۷۹۳-۴۷۹۴) میں بیان ہوا ہے۔ دونوں میں حضرت عبد اللہ بن حذافہ کا نام نہیں لیا گیا۔ ایک میں محض 'رجلًا' اور دوسری میں 'رجلًا من الأنصار' نقل ہوا۔ تقی عثمانی کہتے ہیں: اس قصے کا متعدد بار واقع ہونا انتہائی بعید از قیاس ہے، اس سے بہتر ہے کہ اسے راوی کا وہم مان لیا جائے، کیونکہ راویوں کا دھیان اصل واقعے کی طرف ہوتا ہے، جزئیات سے وہ صرف نظر کر دیتے ہیں۔ مختلف روایتوں میں بیان کیا ہوا یہ واقعہ اصل میں ایک ہی ہے (تکملہ فتح الملہم ۹/ ۲۶۸)۔

مزید مزاح

ایک روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن حذافہ نے ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا بند کھول دیا اور آپ گرنے لگے تھے۔ ان کا ارادہ مزاح کا تھا (الاستیعاب، ابن عبد البر، رقم ۱۵۰۸۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر، رقم ۳۳۱۸)۔ ایک سفر حج میں حضرت عمر نے وادی محسر میں اپنی اونٹنی بٹھائی تو بھی انھوں نے بند کاٹ دیا۔

کچھ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبد اللہ بن حذافہ کے مزاح اور غیر سنجیدگی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اسے اس کے حال پر چھوڑ دو، اس کا اندرون ایسا ہے جسے اللہ اور اس کا رسول پسند

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کرتے ہیں(تاریخ دمشق، ابن عساکر، رقم ۳۳۱۸۔ ضعیف، البانی)۔

بے جا مزاح کے بارے میں ارشاد

ان روایات و واقعات سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا مزاح کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ہنسی مذاق کرتے ہوئے یا سنجیدگی سے اپنے بھائی کا مال و متاع نہ چھین لے۔ اگر کسی نے اپنے ساتھی کا عصا بھی لیا تو اسے لوٹائے گا (ابوداؤد، رقم ۵۰۰۳۔ احمد، رقم ۱۷۹۴۱۔ ترمذی، رقم ۲۱۶۰۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۱۵۴۴)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کے دوران میں ایک سوئے ہوئے صحابی کی رسی دوسرے نے پکڑ کر کھینچی تو وہ گھبرا گیا۔ آپ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے (ابوداؤد، رقم ۵۰۰۴۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۲۱۱۷۷)۔ دوسرے واقعے میں ایک سوئے ہوئے صحابی کا ترکش چھپا لیا گیا۔ بیدار ہو کر وہ پریشان ہوا تو دوسرے اصحاب ہنسنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنسی کا سبب دریافت فرمایا تو انھوں نے بتایا: دل لگی کرنے کے لیے ہم نے ان کا تیر دان چھپا لیا ہے، ان کی گھبراہٹ دیکھ کر ہم ہنسنے لگے۔ آپ نے فرمایا: کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ یا پریشان کرے (احمد، رقم ۲۳۰۶۴)۔

رومیوں کی قید میں

۱۹ھ: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابورافع کی روایت ہے: خلیفۂ ثانی حضرت عمر نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ بھی اس میں شامل تھے۔ قیساریہ کے مقام پر جنگ کرتے ہوئے وہ رومیوں کے گھیرے میں آ گئے۔ انھوں نے ان کو قید کر لیا اور قسطنطنیہ میں قیصر روم کے سامنے پیش کیا۔ اس نے بیڑیوں میں جکڑے ہوئے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو دیکھا تو کہا کہ تم نصرانی ہو جاؤ، میں تمھیں اپنا مقرب بنالوں گا اور اپنی بیٹی تم سے بیاہ دوں گا (دوسری روایت: آدھی سلطنت تمھیں دے دوں گا)۔ فرمایا: اگر تو اپنی تمام مملکت اور تمام عرب کی حکمرانی بھی مجھے دے دے تو میں پلک جھپکنے جتنی دیر کے لیے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نہ چھوڑوں گا۔ بادشاہ نے کہا: دیکھو پھر کیا ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ماہر تیر انداز مسلمان قیدی کو بلایا، سولی پر لٹکا کر اس کے سر پر دائیں بائیں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ دوسری روایت کے مطابق خود حضرت عبداللہ کو سولی پر لٹکا کر انھیں خوف زدہ کرنے کے لیے ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے پاس تیر

برسائے۔ اب بادشاہ نے پھر پوچھا: میری بات مان کر اپنی جان کیوں نہیں بچا لیتے؟ حضرت عبد اللہ نے جواب دیا: اگر میں ایسا نہ کروں تو؟ بادشاہ غصے میں آ گیا اور کہا: دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اس نے ایک بڑی دیگ (یا تانبے کی بنی گاے) منگوائی، زیتون کا تیل ڈال کر اسے بھڑکتی آگ پر رکھا اور ایک مسلمان قیدی کو اس میں جھونکنے کا حکم دیا۔ قیدی کا گوشت ریزہ ریزہ ہو گیا اور ہڈیاں تیل میں تیرنے لگیں۔ قیصر نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ کو عیسائیت قبول کر کے اپنی جان بخشی کرانے کی پھر پیش کش کی۔ انھوں نے انکار کیا تو قیصر کا غصہ بڑھ گیا، اس نے انھیں بھی دیگ میں ڈالنے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ دیگ کے پاس کھڑے ہو گئے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ قیصر سمجھا کہ وہ موت سے ڈر گئے ہیں، اس نے انھیں اپنے پاس بلایا تو وہ بولے: واللہ، مجھے اس بات پر رونا آیا کہ کاش، میرے جسم پر موجود بالوں کے برابر میری جانیں ہوں اور ان سب کو اللہ کی راہ میں اس دیگ میں جھوک دیا جائے۔ قیصر ان کی دلیری سے بہت متاثر ہوا اور کہا: کیا تم میرے سر کا بوسہ لو گے تاکہ میں تمھیں آزاد کر دوں؟ حضرت عبد اللہ نے پھر انکار کیا تو قیصر نے کہا: میں تمھارے ساتھ تمام (دوسری روایت: اسی) قیدیوں کو بھی چھوڑتا ہوں۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن حذافہ آگے بڑھے اور قیصر کا ماتھا چوم لیا۔ مدینہ پہنچنے پر حضرت عمر یہ واقعہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ عبد اللہ کا ماتھا چومے اور میں اس کی ابتدا کرتا ہوں۔ کچھ صحابہ نے بر سبیل مزاح حضرت عبد اللہ بن حذافہ سے کہا کہ تم نے اس کٹر کافر کا ماتھا چوما تو وہ کہتے: کیا حرج ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ نے اسی مسلمان اسیروں کو رہائی دلا دی (المنتظم، ابن جوزی ۱۱۴۱۔ معرفۃ الصحابۃ، ابو نعیم اصفہانی، رقم ۴۹۶۷۔ اسد الغابۃ، ابن اثیر ۱۴۳/۳۔ سیر اعلام النبلاء، ذہبی ۱۴/۲۔ الاصابہ، ابن حجر، رقم ۴۶۲۴۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر، رقم ۳۳۱۸)۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ کا اکرام کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہرقل پوشیدہ طور پر مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی قوم کو بھی اسلام قبول کرنے کی ہدایت کی، لیکن ان کے رد عمل سے خوف زدہ ہو گیا۔

صحت واقعہ

البانی کہتے ہیں: اس روایت کی سند ضعیف ہے، کیونکہ ایسے کسی راوی نے اسے نقل نہیں کیا جس نے یہ واقعہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ سے سنا ہو۔ انھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں اسے ایسے نقل کیا، گویا یہ صحیح ہے (ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، البانی، رقم ۲۵۱۵)۔

ناصر الدین البانی (۱۹۱۴ تا ۱۹۹۹ء) اور مصطفیٰ احمد زرقا (۱۹۰۴ء تا ۱۹۹۹ء) کے شاگرد مشہور بن حسن آل سلمان (پیدایش ۱۹۶۰ء) نے اپنی کتاب ''قصص لا تثبت'' (۳/ ۷۴-۷۵) میں اس قصے کے تمام طرق بیان کر کے سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اضافی روایات

ایک روایت میں اضافہ ہے کہ قیصر نے درمیان میں کچھ دن حضرت عبد اللہ کو قید میں بھوکا پیاسا رکھا اور بھوک کی شدت بڑھنے پر شراب اور خنزیر پیش کیے۔ اس نے ایک زن فاحشہ بھی ان کے پاس بھیجی، لیکن ان ترغیبات کا کچھ اثر نہ ہوا اور انھوں نے کہا: میں اپنے اسلام کو نشانۂ استہزا نہ بننے دوں گا (تاریخ دمشق، ابن عساکر، رقم ۳۳۱۸۔ شعب الایمان، بیہقی)۔ البانی کہتے ہیں: اس روایت کی سند ضعیف ہے، کیونکہ زہری اور حضرت عبد اللہ بن حذافہ کے درمیان سند منقطع ہے۔ دوسرے راوی بھی ضعیف اور واہی ہیں (ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل، البانی، رقم ۲۵۱۵)۔

ابن عائذ کے بیان کے مطابق قیصر روم نے تین سو مسلم اسیر رہا کرنے کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن حذافہ کو تیس ہزار دینار، تیس باندیاں اور تیس غلام تحفے میں دیے۔

محمد بن عمر کی روایت ہے: حضرت عمر نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ کو رہا کرانے کے لیے قسطنطنیہ خط لکھا۔ ابن سعد کے علاوہ بلاذری نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

فتح مصر، عین شمس

حضرت عمرو بن العاص نے فسطاط فتح کرنے کے بعد حضرت عبد اللہ بن حذافہ کو فوج دے کر عین شمس (Heliopolis) بھیجا۔ انھوں نے عین شمس زیر کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں سے اہل فسطاط سے کیے جانے والے معاہدے کے شرائط کے مطابق صلح کر لی (فتوح البلدان، بلاذری ۳۰۴)۔

فتح مصر، اسکندریہ

۲۱ھ: خلیفۂ ثانی حضرت عمر سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ تین ماہ کے محاصرے اور سخت لڑائی کے بعد وہ اسکندریہ میں داخل ہو گئے۔ مال غنیمت جمع کرنے کے بعد انھوں نے کسی کو قتل کیا نہ قیدی بنایا۔ شاہ مصر مقوقس نے بھی تیرہ ہزار دینار جزیہ ادا کرنے کی شرط مان کر صلح کر لی۔

خمس مدینہ بھیجنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کی سربراہی میں اسکندریہ میں چھاؤنی قائم کر دی اور خود فسطاط لوٹ گئے۔ ۲۵ھ میں اسکندریہ کے باشندوں نے ہرقل کے بیٹے قسطنطین سے فریاد کی تو اس نے منویل کی سالاری میں تین سو سواروں پر مشتمل فوج بھیجی جس نے وہاں پر مقیم کئی مسلمانوں کو شہید کر کے اسکندریہ واپس لے لیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو خبر ملی تو پندرہ ہزار کا لشکر لے کر دوبارہ چڑھائی کی اور شدید قتال کے بعد اسکندریہ پر تسلط بحال کیا (فتوح البلدان، بلاذری ۳۱۰)۔

وفات

اپنے زمانے کی دونوں سپر پاوروں کے سربراہوں سے ملاقات کرنے اور مصر کی فتح میں شرکت کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن حذافہ نے مصر ہی میں اپنا گھر بنایا۔ انھوں نے ۳۳ھ کو عہد عثمانی میں مصر میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ازواج و اولاد

بہت کوشش کے باوجود ہمیں حضرت عبداللہ بن حذافہ کی ازواج و اولاد کے بارے میں معلومات نہیں مل سکیں۔

روایت حدیث

حضرت عبداللہ بن حذافہ سے تین مرسل احادیث مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں کے نام: ابو وائل، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن، سلیمان بن یسار اور مسعود بن الحکم۔

قراءت خلف الامام

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت حذیفہ کو نماز (با جماعت) میں اونچی آواز میں قراءت کرتے سنا تو فرمایا: ابو حذیفہ (کنیت حضرت عبداللہ بن حذافہ) اپنی قراءت سے اپنے رب سے مناجات کرو، مجھے نہ سناؤ، اللہ کو سناؤ (طبقات ابن سعد، رقم ۴۰۴۔ احمد، رقم ۸۳۲۶ ضعیف۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۲۹۰۸)۔

عید قرباں کا گوشت

ابن حجر کہتے ہیں: خلف بن محمد واسطی نے ''اطراف الصحیحین'' میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سے روایت

نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا گوشت تین دن کے بعد کھانے سے منع کیا ہے۔ حدیث کی کسی کتاب میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن حذافہ سے نقل نہیں ہوئی۔ البتہ بخاری (رقم ۵۵۷۳)، مسلم (رقم ۵۱۳۹) میں حضرت علی سے، مسلم (رقم ۵۱۴۳) میں حضرت عبداللہ بن عمر سے اور موطا امام مالک (رقم ۱۳۹۲) میں حضرت عبداللہ بن جابر سے مروی ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں: آپ کے منع کرنے کے ایک سال بعد صحابہ نے گزارش کی: یارسول اللہ، لوگ قربانی کیے ہوئے جانوروں سے بہت فائدہ اٹھایا کرتے تھے، ان کی چربی اکٹھی کرتے اور ان کی کھالوں کی مشکیں بنا لیتے تھے۔ آپ نے فرمایا، میں نے تو مدینہ میں آنے والے خانہ بدوشوں (اور خشک سالی) کی خاطر منع کیا تھا۔ اب گوشت کھاؤ، صدقہ کرو اور ذخیرہ کرو (بخاری، رقم ۵۵۶۹۔ مسلم، رقم ۵۱۴۴۔ ابوداؤد، رقم ۲۸۱۲۔ نسائی، رقم ۴۴۳۶۔ احمد، رقم ۱۱۵۴۳۔ موطا امام مالک، رقم ۱۳۹۳)۔

ایام تشریق کے روزے

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں قیام منیٰ کے دوران میں حضرت عبداللہ بن حذافہ کو حاجیوں کے بیچ یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا: لوگو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: یہ کھانے پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔ ان دنوں میں کوئی روزہ نہ رکھے (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، رقم ۴۰۴۔ احمد، رقم ۱۰۶۶۴۔ موطا امام مالک، رقم ۱۱۰۲ صحیح لغیرہ۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۸۸۹۔ مستدرک حاکم، رقم ۶۶۵۰۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۸۲۱۷۔ سنن دار قطنی، رقم ۲۴۰۷)۔ چنانچہ صحابہ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ کو منیٰ میں سرخ اونٹنی پر بیٹھے ہوئے یہ اعلان کرتے سنا (السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۲۸۹۴)۔ آپ نے حضرت بدیل بن ورقا اور حضرت بلال کو بھی یہ ذمہ داری سونپی (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، رقم ۴۷۵۔ احمد، رقم ۱۶۰۳۸۔ سنن دار قطنی، رقم ۲۴۰۸)۔

حضرت عائشہ، امام مالک اور اوزاعی کہتے ہیں: حج تمتع کرنے والے کو اگر قربانی نہ مل سکے تو قیام منیٰ کے دوران میں وہ تین روزے رکھ سکتا ہے جو قرآن مجید کے اس حکم کے مطابق ایام حج میں رکھنے ضروری ہیں: 'فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ'، ''اور جب تم اطمینان پاؤ تو جو کوئی حج تک عمرے سے فائدہ اٹھائے، قربانی کرے جو اس کو میسر آئے، اور جسے قربانی نہ مل سکی تو وہ تین دن کے

روزے ایامِ حج میں رکھے اور سات جب تم حج سے لوٹ جاؤ، یہ کل دس روزے ہوئے‘‘ (البقرہ ۲: ۱۹۶) (موطاامام محمد، رقم ۳۷۰)۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، انساب الاشراف (بلاذری)، فتوح البلدان (بلاذری)، تاریخ الامم و الملوک (طبری)، معرفۃ الصحابۃ (ابو نعیم اصفہانی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، قصص لا تثبت (مشہور بن حسن)۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اعتذار

ماہنامہ ’’اشراق‘‘ اگست ۲۰۲۳ء کے شمارے میں محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون ’’مہاجرین حبشہ (۲۲)‘‘ میں ایک لفظ ’’لحی‘‘ فونٹ کی خرابی کے باعث ’’لحہ‘‘ شائع ہو گیا ہے۔ براہِ مہربانی تصحیح فرما لیجیے۔

—— ادارہ

محمد ذکوان ندوی

'ابلۂ مسجد' اور 'تہذیب کا فرزند'

موجودہ دنیا جنت کا ایک حسین تعارف ہے۔ یہاں حسن و معنویت کے وہ تمام مظاہر ہر طرف بکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، اِس فرق کے ساتھ کہ حسن و معنی کے یہ تمام مظاہر ابدی نہیں، بلکہ صرف عارضی اور وقتی ظاہرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اِس موضوع پر گفتگو کے دوران میں ایک صاحب نے فرمایا کہ بہت سے لوگ اُخروی جنت کے لیے تو لمبی لمبی دعائیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، مگر وہ اِس 'جنت' کو فساد (الاعراف ۷: ۸۵) سے محفوظ کرنے کا شعور بھی نہیں رکھتے، حتیٰ کہ اِس کے لیے وہ اپنا کوئی ادنیٰ کنٹری بیوشن دینے کے لیے بھی تیار نہیں، خواہ یہ جرم و سرکشی کو ترک کرنا ہو یا اِس زمین اور آسمان کو اپنے حصے کے فساد اور کثافت سے محفوظ رکھنا۔

اِس معاملے میں عام طور پر مذہبی اور غیر مذہبی لوگوں کا کوئی استثناد کھائی نہیں دیتا۔ ایک اگر مذہب کے نام پر یہ فساد و اِسراف کر رہا ہے تو دوسرا ترقی، جدت طرازی اور معیار زندگی کے نام پر۔ دونوں کا کیس عملاً اِس معاملے میں بے شعوری اور عدم حساسیت کا کیس ہے۔ ایک مذہبی شخص اگر وضو اور غسل کے نام پر سنت رسول: 'وإن كنت على نهرٍ جارٍ'، ''تم بہتے دریا کے کنارے ہو، تب بھی وضو اور غسل جیسے خالص دینی معاملات میں بھی اِسراف مت کرو'' (احمد، رقم ۷۰۶۵) کی شدید خلاف ورزی کرتے ہوئے پانی کا مسرفانہ استعمال کر رہا ہے تو ایک غیر مذہبی شخص اپنے بڑھے ہوئے معیار زندگی اور اپنے مادہ پرستانہ ذہن کی بنا پر سارے زمین و آسمان کو اپنی مسرفانہ سرگرمیوں کے ذریعے سے فساد زدہ کیے ہوئے ہے۔

ایسے لوگ اکثر اسٹیج پر فطرت کی حفاظت اور ماحولیاتی کثافت سے متعلق بڑی بڑی باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، مگر عملاً وہ مذکورہ اِستہلاکی سرگرمیوں (consumer activities) کے ساتھ تمباکو نوشی اور منشیات جیسی مہلک اشیا کے بے محابا استعمال تک سے بھی گریز نہیں کرتے۔ وہ گاڑیوں کے دھوئیں اور پلاسٹک جیسی دیگر مضر ماحولیات چیزوں سے سارے زمین و آسمان کو بلاتامل آلودہ کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ فطری اشیا کے انتخاب کے موقع پر بھی غیر فطری اشیا کے استعمال کو اپنے معیار زندگی سے فروتر سمجھتے ہیں، خواہ یہ دودھ اور پانی جیسی عام اشیا کا استعمال ہو، یا دیگر اشیاے خور و نوش کا استعمال۔ وہ صاف اور شیریں پانی کی موجودگی اور کسی تہذیبی جبر کے باوجود آر او (RO) کے تلخ پانی کا کڑوا گھونٹ پیتے، تازہ پھل اور سبزیوں کی افراط کے باوجود پیکڈ (packed) مصنوعات کے دل دادہ نظر آتے ہیں۔ وہ آب و ہوا اور روشنی و دھوپ کے فطری مواقع ہونے کے باوجود بند ماحول میں رہتے، دن کی روشنی میں سورج کو چراغ دکھاتے اور اپنے ماحول کو تیرہ و تار اور ظلمت زار بنانے کو ترقی اور سائنس کا اعلیٰ معیار سمجھتے ہیں۔ گویا ایک اگر 'ابلۂ مسجد' ہے، تو دوسرا 'تہذیب کا فرزند' اور اُس کی ذہنی اور تہذیبی غلامی پر رضامند۔

اِس ذہنی اور تہذیبی غلامی کی ایک سادہ مثال یہ ہے کہ پانی اور ہوا بھی اب جدید ''کمرشلائزیشن'' کا حصہ بن کر رہ گئے ہیں، جب کہ پانی جیسی فطری اور فراواں شے کو خرید کر حاصل کرنا تاریخ کی وہ بدترین غلامی ہے، جس میں ترقی اور تہذیب کے پرفریب نام پر آج کے تقریباً تمام مذہبی اور غیر مذہبی انسان گرفتار ہیں۔ اب پانی کو کمرشلائز کرنے کے ساتھ ہوا کو بھی ''آکسیجن بار'' (Oxygen Bar) جیسے ناموں پر انتہائی پرفریب انداز میں کمرشلائز کیا جارہا ہے۔ اِس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اِن میں سے بیش تر لوگ نہ اِس کا شعور رکھتے ہیں اور نہ وہ اِس طرح کے معاملات میں اپنے دائرۂ اختیار کی حد تک کوئی جدوجہد فرماتے ہیں۔ اِس کے برعکس، وہ اِس مفسدانہ ظاہرے کو تہذیبی ارتقا اور جدید فیشن کی علامت سمجھ کر جنون کی حد تک اُس سے چمٹے ہوئے ہیں:

تھا جو 'ناخوب'، بتدریج وہی 'خوب' ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر!

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ اِس تہذیبی جبر کے مقابلے میں ایک الگ جزیرہ کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ زوال یافتہ نفسیات کی بنا پر ہم اپنے دائرے کا کام بھی نہیں کرنا چاہتے۔ مثلاً ہمارے تعلیم یافتہ اور اہل تر افراد بھی عموماً اِس بات سے کوئی دل چسپی نہیں رکھتے کہ وہ اپنے گرد و پیش پر نظر رکھیں اور چیزوں کے

متعلق موجودہ سائنس (pseudo science) کی مشہور کردہ ”پیٹنٹ“ معلومات کے بجائے اُن کی اصل حقیقت کو جانیں اور اُن کے مثبت اور منفی پہلوؤں سے واقفیت حاصل کر کے اپنے لیے کوئی صحت مند لائحۂ عمل (strategy) تیار کر سکیں۔ فارسی کی ایک بامعنی مثل ہے —— کسی چیز کی اصل حقیقت کا علم و شعور رکھنا، اُس کے متعلق بے خبر رہنے سے بہتر ہے:

علمِ شے، بہ از جہلِ شے

تاہم، جو شخص بے خبری میں مبتلا ہو، اُس سے یہ توقع کس طرح کی جاسکتی ہے کہ وہ حقائق کا بے لاگ جائزہ لے اور اِس معاملے میں کوئی سنجیدہ کوشش کر سکے۔

جہاں تک مذہبی لوگوں کا تعلق ہے، وہ عام طور پر اِس طرح کے انسانی معاملات میں یہ کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں کہ دین سے اِن موضوعات کا تعلق نہیں۔ تاہم میں عرض کروں گا کہ جو دین آدمی کو اِس قسم کے انسانی معاملات میں حساس نہیں بناتا، وہ دین نہیں، بلکہ صرف بعد کے آزر کا تراشیدہ ’مذہب‘ ہے جو بے روح مراسم اور تقلیدی روایات کا مجموعہ ہوا کرتا ہے، نہ کہ انسانیت کے درد کا درماں۔

ایسی حالت میں مذہبی اور غیر مذہبی، دونوں قسم کے افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ فطرت اور کائنات سے متعلق اپنے علم و شعور اور حساسیت کو بڑھائیں۔ وہ انسان اور کائنات، دونوں کی نسبت سے عائد اپنی انسانی ذمہ داریوں کو سمجھ کر اُس میں مثبت کنٹری بیوشن کو اپنا اخلاقی فریضہ سمجھیں۔ وہ جس زمین پر رہتے اور جس آسمان کے زیر سایہ اپنے شب و روز گزارتے ہیں، اُسے ہر طرح کے فساد اور بربادی سے بچانے کی بھرپور سعی کریں، خواہ یہ پانی اور بجلی جیسی بیش قیمت چیزوں کا مسرفانہ استعمال ہو یا غیر ضروری طور پر بڑھتے ہوئے اے سی کلچر کی مہلک گیس، گاڑیوں اور انڈسٹری کا سرطانی دھواں اور پلاسٹک جیسے ناقابل تحلیل اجزا کے بے محابا استعمال سے زمین اور آسمان کو فساد زدہ کر دینا۔

(اُوٹی، تمل ناڈو، ۳/ مئی ۲۰۲۳ء)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر عرفان شہزاد

تربیت اولاد کے سلسلے میں دو اہم تنبیہات

۱۔ اللہ میاں گناہ دیں گے!

'اللہ میاں گناہ دیں گے'۔ ہمارے ماحول میں بچوں کے لیے اس جملے کا بے دریغ استعمال عام ہے۔ یہ جملہ بڑوں کے ہاتھ میں خدائی لائسنس ہے کہ جس چیز کو چاہیں، گناہ قرار دے دیں۔ یہ جملہ ہر اس معمولی بات سے منع کرنے کے لیے بول دیا جاتا ہے جو محض خلاف ادب یا ناگوار خاطر ہو، جیسے انگلیاں چٹخانا، بیٹھے ہوئے ٹانگیں ہلانا، الٹا لیٹ کر سونا، کھڑے ہو کر پانی پینا، اونچی آواز میں ہنسنا، نماز یا قرآن پڑھتے ہوئے ٹوپی نہ پہننا وغیرہ۔

خدا نے اس بات سے سختی سے منع کیا ہے کہ اس کے نام پر جھوٹ بولا جائے۔ گناہ و ثواب کیا ہے، یہ بتانا خدا کا اختیار ہے۔ قرآن میں اس بات کو بڑی تنبیہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ. (النحل ۱۶: ۱۱۶)

''تم اپنی زبانوں کے گھڑے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اِس طرح اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو۔ (یاد رکھو) جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں گے، وہ ہرگز فلاح نہ پائیں گے۔''

بات بات پر خدا کی ناراضی کے اعلانات اور معمولی باتوں کو گناہ کے دائرے میں ڈالنے کی خُو انسان کے ذہن میں خدا کا ایسا تصور پیدا کرتے ہیں جو ایک خشک مزاج مربی یا اذیت پسند آقا کی طرح بات بات پر عذاب کا کوڑا برسانے کے لیے تلا رہتا ہے۔ یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں دین دار لوگ عموماً رحمت اور نرمی جیسے

جذبات سے محروم اور خشک مزاجی کا نمونہ ہوتے ہیں۔

آداب کا تعلق تہذیبی روایات اور اقدار سے ہوتا ہے۔ یہ سب وہ لوگ بھی سکھاتے ہیں جو خدا آشنا نہیں۔ چھوٹی موٹی ناگوار اور خلاف ادب باتوں کو درست کرنے کے لیے نصیحت اور اپنا عملی نمونہ کافی ہے، خدا پر جھوٹ باندھنے کی جسارت نہ کی جائے۔

۲۔ جوان ہوتی اولاد سے والدین کے تعلقات کا بگاڑ

جوان ہوتی اولاد، خصوصاً بیٹوں اور والد کے درمیان عموماً ایک دوری، تنفر اور ناراضی جیسے رویے پیدا ہو جاتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے پیار کو ترستے بھی رہتے ہیں، مگر اپنی اپنی انا کی اسیری میں ساری زندگی گزار دیتے ہیں۔ وقت کی ریت میں دب جانے والی یہ محبت صرف بیماری اور وفات جیسے حادثات ہی میں نمایاں ہو پاتی ہے جو پچھتاوے کے گہرے زخم چھوڑ جاتی ہے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جوان ہوتے بیٹوں کے ساتھ باپ کے رویے میں فرق آنے کا سارا الزام بڑی سہولت اور سادگی سے بیٹے کی نوجوانی کو دے دیا جاتا ہے، جب کہ اس کی بڑی اور بنیادی وجہ باپ کی ناسمجھی ہے۔ اس بگاڑ کی چند بڑی وجوہات درج ذیل ہیں:

بوڑھا ہوتا باپ جوان ہوتے بیٹے میں اپنا جانشین دیکھتا ہے۔ وہ اپنی عمر کی تھکاوٹ کے سبب اپنی ذمہ داریاں جلد سے جلد بیٹے کے کاندھوں پر ڈال کر سبک دوش ہونا چاہتا ہے۔ اس جلد بازی میں وہ یہ نظر انداز کر دیتا ہے کہ بیٹا ابھی مکمل جوان نہیں ہوا۔ وہ جوانی اور بچپنے کے درمیان ڈول رہا ہے۔ ابھی اسے مزید وقت درکار ہے، مگر باپ، بیٹے کی کوتاہیوں کو معاف کرنے پر تیار نہیں ہو پاتا۔ باپ کی بے صبری دونوں کے درمیان فضا کو تلخ کرتی جاتی ہے۔

اس سے مختلف ایک گہری نفسیاتی وجہ باپ کا احساس عدم تحفظ ہے۔ اسے جوان ہوتے بیٹے میں اپنا رقیب نظر آتا ہے، جو خاندان میں اس کی حکومت کو چیلنج یا اسے کم اہم کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اسے اپنا رقیب اور حریف بنا لیتا ہے۔

بعض ماؤں کو بھی اپنے جوان ہوتے بیٹوں اور بیٹیوں سے تنفر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ کہ اب اولاد کی شخصیت کے کچھ گوشے ان پر اس طرح عیاں نہیں رہیں گے، جیسے بچپن میں وہ ان کے لیے کھلی کتاب تھے، ماؤں کے لیے کوفت کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر یہ خیال کہ آگے جا کر بیٹے بیویوں کو اور بیٹیاں شوہروں کو ماں پر

ترجیح دیا کریں گی اور عدم تحفظ کا احساس، جو مشرقی سماج کی عورت کو ہمیشہ لاحق رہتا ہے، اولاد کے معاملے میں بھی اپنا اثر دکھاتا ہے کہ نجانے ان کے بڑھاپے میں ان کی اولاد ان کے ساتھ کیا سلوک کرے، یہ سب ہونے سے پہلے ہی وہ ان سے متنفر ہونے لگتی ہیں۔

اولاد کو نوجوانی کی عمر میں کچھ گنجایش درکار ہوتی ہے، جہاں وہ اپنی ابھرتی امنگوں کو اپنے تئیں بروے کار لا کر زندگی گزارنا سیکھ سکیں۔ اس موقع پر ان کے تجربات اور رجحانات پر کڑی نظر رکھنا اور اپنی مرضی کرنے کے مناسب مواقع دینے سے بھی اس خیال سے انکار کرنا کہ وہ خراب نہ ہو جائیں، ماں باپ اور اولاد کے درمیان تلخی کا سبب بنتا ہے۔

کم وسائل رکھنے والے باپ اپنی اولاد کی نظر میں اس لیے بھی وقعت کھو دیتے ہیں کہ خود انھوں نے اسے یہی سکھایا ہوتا ہے۔ والدین یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے وسائل کی کمی پر ناشکری، شکوہ شکایت، لڑائی جھگڑے اور پیسے کے بدلے عزت دینے اور اس کی کمی کی صورت میں ذلت آمیز سلوک کرنے جیسے رویوں کے مظاہرے انھوں نے خود اولاد کے سامنے برتے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب اولاد کو وسائل کی کمی کا احساس ہوتا ہے تو والد پر ترس آنے کے بجاے وہ بے ساختہ اس کے خلاف منفی ردعمل اپنا لیتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

مذہبی حساسیت

مذہبی حساسیت کا مفہوم، اگر یہ ہے کہ مجھے اُن فرائض کے بارے میں حساس ہونا چاہیے جو مجھ پر مذہب عائد کرتا ہے تو بلا شبہ قابل تحسین ہے۔ نہ صرف قابل تحسین، بلکہ مطلوب ہے۔ میرا مذہبی ہونے کا دعویٰ مشتبہ ہے، اگر میں تارک صلوٰۃ ہوں، رمضان میں روزے نہیں رکھتا یا استطاعت ہوتے ہوئے بھی حج نہیں کرتا۔ میری نماز کسی وجہ سے قضا ہو جائے اور مجھے اس کا کوئی افسوس نہ ہو تو یہ بہت خطرناک معاملہ ہے، اگر کوئی مذہبی کہلوانے والا آدمی اس سے دوچار ہے۔ اسی طرح اگر کوئی دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت خدا کے حضور میں جواب دہی کے احساس سے عاری ہے تو بھی اس کا مذہبی ہونا بے معنی ہے۔ کم تول کر اور جھوٹ بول کر، مجھے احساس ہونا چاہیے کہ اسلام کے ساتھ مرا تعلق کم زور پڑ گیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ دوسرے بھی اسی طرح حساس ہو جائیں تو یہ خیر خواہی ہے اور اس کی بھی قدر کرنی چاہیے۔ کوئی چاہے کہ معاشرے میں وہ اقدار غالب ہوں جو مذہبی اخلاقیات پر مبنی ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ اس پر فکر مند ہو تو یہ فکر مندی بھی مستحسن ہے، لیکن اگر کوئی بڑھ کر یہ چاہے کہ میں اپنے مذہبی خیالات دوسروں پر نافذ کروں، لوگ مذہب پر اسی طرح عمل کریں جیسا میں چاہتا ہوں، دوسرے بھی اسی مذہبی تعبیر کو اختیار کریں جسے میں صحیح مانتا ہوں تو اسے مذہبی حساسیت نہیں کہتے، اسے مذہبی لغت میں بھی حدود سے تجاوز قرار دیا جائے گا۔ یہ انتہا پسندی ہے۔

اسلام آباد کی ایک یونیورسٹی میں ہولی کی ایک تقریب ہوئی۔ اس پر طوفان کھڑا ہو گیا۔ یہ مذہبی حساسیت کا نہیں، انتہا پسندی، بلکہ خود پسندی کا مظاہرہ ہے۔ اعتراض مسلمان طلبا و طالبات کی اس تقریب میں شرکت پر

ہے۔ نتیجہ اس سے یہ برآمد کیا گیا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ دلیل یہ دی گئی کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ اظہار مودت و محبت سے منع کرتا ہے۔ حل یہ پیش کیا گیا کہ ایسی تقریبات کا دروازہ بند ہونا چاہیے۔ یہ تمام مقدمہ بہت سے مغالتوں کا مجموعہ ہے۔

پہلی بات: اسلام نے کہیں غیر مسلموں کے ساتھ محبت سے منع نہیں کیا۔ قرآن مجید نے جہاں دوستی سے منع کیا ہے، وہاں سیاق و سباق سے واضح ہے کہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے برسرپیکار تھے۔ ایک جگہ تو 'مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ' کی قید لگا کر اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا ہے۔ مسلمان، بہ حیثیت مسلمان، کسی کے ساتھ حالت جنگ میں ہوں تو اس وقت یہی کہا جائے گا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسروں سے مودت کا تعلق نہ رکھو۔ یہ ایک عمومی ہدایت کیسے ہو گئی؟ دوسری بات یہ ہے کہ خود قرآن مجید نے اہل کتاب خواتین کے ساتھ نکاح کی اجازت دی۔ اس رشتے کی نوعیت بھی واضح کی۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاتون سے نکاح تو ہو سکتا ہے، مگر خبردار، اس سے محبت اور مودت کا تعلق نہیں رکھنا؟ بلاشبہ، اللہ کا کلام ایسے تضادات سے پاک ہے۔

دوسری بات: ہولی کی ایک تقریب میں مسلمان طالب علموں کی شرکت سے اسلام کو خطرہ کیسے لاحق ہو گیا؟ اسلام اللہ کا دین ہے، جس کی حفاظت انسانی کاوش کی محتاج نہیں۔ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود اٹھایا ہے۔ یہ کسی آدمی کے لیے سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے دین کی کوئی خدمت لے لے۔ یہ خیال ہی کم زوری کا اظہار ہے کہ ہولی یا کسی دوسرے مذہب کی تقریب میں مسلمانوں کی شرکت سے اسلام کو کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔ اس تقریب میں شریک مسلمان طلبا و طالبات اگر کوئی ایسی حرکت کرتے ہیں جسے خلاف اسلام کہا جا سکتا ہے تو انھیں اچھے اسلوب میں متنبہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا کام بس اتنا ہے۔ ہم کسی مذہب کے پیروکاروں کو کیسے روک سکتے ہیں کہ وہ کوئی تہوار نہ منائیں؟

تیسری بات: یونیورسٹی سطح کے طلبا و طالبات کو طفل مکتب نہیں سمجھنا چاہیے۔ بچے کو سمجھانے کی عمر پانچ چھ سال تک ہی ہے۔ اسی عمر میں شخصیت بنتی ہے۔ یہ والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ اس عمر میں انھیں مذہبی اور سماجی اخلاقیات کی تعلیم دیں۔ یونیورسٹی اخلاق اور آداب سکھانے کے لیے نہیں ہوتی۔ یہ علم تخلیق کرنے کے ادارے ہیں۔ ہر ادارے کی طرح، یہاں بھی ڈسپلن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات کا لحاظ رکھا جانا چاہیے کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جو تعلیمی ماحول کو خراب کرنے کا باعث ہو۔ اسی طرح ہماری مذہبی اور سماجی

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اخلاقیات ہیں، جن کا احترام ہونا چاہیے۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جو یونیورسٹیوں کے ساتھ خاص ہو۔ اس کا ہر جگہ اہتمام ہونا چاہیے۔ ہولی میں شرکت سے کوئی مذہبی یا اخلاقی قدر مجروح نہیں ہوتی۔ اس کا کوئی تعلق تشبہ سے بھی نہیں ہے۔

چوتھی بات: ہم میں سے ہر کوئی یہ حق رکھتا ہے کہ وہ دین کو اس طرح بیان کرے، جس طرح کہ اس نے سمجھا۔ وہ اپنی دلیل پیش کرے۔ اس کے بعد اس کا کردار ختم ہو جاتا ہے۔ دوسروں کو زبردستی اپنی تعبیر کا پابند بنانا غیر مذہبی رویہ ہے۔ آپ نے اپنی بات کہہ دی؛ دردمندی کا اظہار کر دیا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کا کام ختم ہوا۔ یہ کہنا کہ اسلام خطرے میں ہے اور حکومت نے اسے نہ روکا تو ہمارا اخلاقی نظام تباہ ہو جائے گا۔ یہ سب مبالغہ آرائی ہے۔

مذہبی حساسیت کے نام پر ہمارے ہاں جن رویوں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، مجھے خیال ہوتا ہے کہ وہ مذہب کی درست تفہیم پر مبنی ہیں، نہ سماج کی۔ یہ مذہب اور سماج، دونوں سے نادان دوستی ہے۔ ایک داعی کا کردار کیا ہے؟ عالم اور مصلح کا دائرۂ عمل کیا ہے؟ صحافی کو کیا کرنا چاہیے؟ ریاست کا مذہبی کردار کیا ہونا چاہیے؟ سماج کو کس طرح ایک نظام اقدار پر کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ سماجی نفسیات کیا ہوتی ہے اور دعوت دین میں اس کا کردار کیا ہے؟ یہ سوالات ہمارے ہاں کبھی سنجیدہ مطالعے کا موضوع نہیں بنے۔

ہمارے دینی لٹریچر میں بہت کم کتابیں ملیں گی جن میں ایک مسلمان معاشرے کے اندر بین المسلمین دعوت کو موضوع بنایا گیا ہو۔ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا مفہوم سمجھایا گیا ہو۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ نئی نسل فکری اور ذہنی اعتبار سے کہاں کھڑی ہے؟ اسے دین سکھانے کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ اسے بالجبر ہولی کے تہوار میں شرکت سے روک دیا جائے۔ اگر کسی کا خیال ہے کہ اس طرح نئی نسل مسلمان ہو جائے گی اور اسلام خطرے سے نکل آئے گا تو یہ ایک خیال خام ہے۔

اسلام اللہ کی ہدایت ہے۔ یہ انسان کے فطری مطالبے کا جواب ہے۔ یہ اس کی ضرورت ہے۔ نئی نسل کو یہ بات کیسے سمجھائی جائے؟ کس آتش نمرود میں اس نسل کو پھینک دیا گیا ہے؟ ان سوالات کو مخاطب بنائے بغیر ہم جو کچھ کرتے ہیں، یہ اکثر ہمارے جذبات اور تعصبات کا اظہار ہوتا ہے۔ ہم اسے مذہبی حساسیت قرار دیتے ہیں۔ جو نسل پچھلی تین دہائی میں پروان چڑھی ہے، اس کی ایک نفسیاتی ساخت ہے۔ اس نے اسلام کی جو تعبیرات اپنے اردگرد دیکھی، اس کے ذہن پر نقش ہیں۔ اس نسل کو بالجبر ہولی کی تقریب میں شرکت سے روک کر مذہبی

نہیں بنایا جا سکتا۔ اس طرح ہم اسے مذہب سے مزید دور کر رہے ہیں۔ جو نسل انکارِ مذہب کے دہانے پر کھڑی ہے، اسے اہلِ مذہب کی مدد چاہیے۔ انھیں دین اس طرح سمجھائیں، جیسے ان کی ذہنی ساخت مطالبہ کرتی ہے۔ کیا ہم اس کی استطاعت رکھتے ہیں؟ یہ ہے وہ اصل سوال جو اہلِ مذہب کی توجہ چاہتا ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۲۷/ جون ۲۰۲۳ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ساجد حمید

عابد خستہ جاں

عابد، میرا چھوٹا بھائی کل[1] اِس جہاں سے کوچ کر کے اُس جہاں میں چلا گیا ہے، جہاں جانے کے لیے ہم سب کا ایک وقت لکھا ہوا ہے۔ ہم سب چار و ناچار اس منزل کی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہاں نہ آنے کے لیے کسی کی مرضی چلتی ہے اور نہ جانے کے لیے:

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

عجیب اتفاق ہے کہ چار برس قبل، اسی ماہ، یعنی اگست میں میرے بڑے بھائی زاہد عید الاضحیٰ کے دن فوت ہو گئے تھے۔[2] اگست ہی میں میری والدہ ماجدہ اور میری نانی جان بھی اللہ کو پیاری ہوئی تھیں۔ ان سب نے یہاں سے جانے کا یہی مہینا چنا ہے کہ آسمان ان پر اشک افشانی کرے۔

عابد ایک مضبوط اعصاب کا جان دار شخص تھا، ٹالے نہ ٹلتا تھا: بلا کا ضدی، ہر رکاوٹ کو شکست دے دینے والا۔

ا۔ ۲/ اگست ۲۰۲۳ء۔ میں نے عنوان میں ''عابد خستہ جاں'' لکھا ہے، اگرچہ یہ شاعری میں جس معنی کی تعبیر کے لیے استعمال ہوتا ہے وہ اور ہے۔ غالب کا شعر ہے:

یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

لیکن میں نے اس کے مرض الموت کے حوالے سے استعمال کیا ہے۔ عابد پچھلے دو تین برس سے کینسر کا مریض تھا، اور آخری ایام میں اس مرض کی شدید تکلیف اس نے دیکھی ہے۔ خداے علیم و حکیم سے توقع ہے کہ وہ اس کے بدلے میں اس کے گناہوں کو جھاڑ دے گا۔ 'رَبِّ ارحمه من لدنك'۔

۲۔ ۱۲/ اگست ۲۰۱۹ء۔

وہ اس وقت امریکا جانے میں کامیاب ہوا، جب ہمارے گھر میں پھوٹی کوڑی بھی اسے دینے کے لیے نہیں تھی۔ بے مایہ و بے نوا لڑکا محض اپنی جدوجہد سے قریباً ایک ناممکن کام کر پایا تھا۔ اعصابی قوت اتنی بلا کی تھی کہ موت سے چند دن پہلے تک جب کینسر کے ٹیومر اس کے بدن کو کھا چکے تھے، اور تکلیف جسم و جان کو توڑے دے رہی تھی، وہ بچوں، بالخصوص اپنی بیٹی کے مستقبل کے لیے، فل وقت کام کر رہا تھا۔

رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

اس کا کردار اپنی ہی نوع کی پختگی لیے ہوئے تھا۔ ایک گھریلو جھگڑے میں ہمارے ماموں جان نے اسے بلایا، وہ سینکڑوں میل کا سفر کر کے وہاں پہنچا، مگر فریق ثانی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے بات کرنے سے انکار کر دیا کہ یوں چغلی ہونے کا امکان ہے۔ میں نے ایک جھگڑے میں اسے کہا کہ یہ تدبیر اختیار کر لیتے ہیں، اس نے فوراً جواب دیا: نہیں، یوں اس کا حق مارا جائے گا۔ جس کا حق بچانے کی بات عابد کر رہا تھا، وہ اس جھگڑے میں اس کا فریق مخالف تھا۔ ایک خاندانی معاملے میں وہ چھبیس برس تک ایک چیز برداشت کرتا رہا، لیکن ہمیں اس نے وفات سے ایک سال قبل اس مسئلے سے آگاہ کیا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہمارے بچپن میں محمد علی کلے باکسر اور کنگ فو کے ماہر بروس لی کی بہت شہرت تھی۔ اس وقت کے لڑکے بالے باکسنگ اور جوڈو کے شوق میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ایسا ہی ماحول ہمارے گھر میں تھا۔ باکسنگ اور جوڈو کی مشقیں کرتے اور آپس ہی میں کھیلتے تھے۔ ہم سات بھائی تھے، پوری ایک ٹیم گھر ہی میں ہوتی تھی، اس لیے ہر طرح کے کھیل مل کر کھیلنے ممکن تھے۔ انھی مشقوں اور کھیلوں میں عابد کی ناک پر چوٹ آئی۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی، لیکن درد اس کے اوپر کے سامنے والے ایک دانت میں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا سامنے والا دانت نکال دیا۔ جب نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ دانت صحت مند تھا، لیکن صحت مند دانت کے نکالے جانے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ ناک کی ہڈی کے ٹوٹنے سے جو انفیکشن ناک میں تھا، اس کے زخم کو دانت کے نکالے جانے سے پیدا ہونے والے خلا سے بہ نکلنے کا راستہ مل گیا، اور اس کی تکلیف جاتی رہی۔ اب عابد کے نہ ناک کی ہڈی تھی اور نہ سامنے والا ایک دانت۔ لہٰذا ناک عجیب سی چپٹی ہو گئی تھی۔

سامنے والے دانت کے نکالے جانے کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ سائیکل پر جا رہا تھا کہ اسے ایک حادثہ پیش آیا۔ اس کی سائیکل گاڑی کے نیچے آ کر بالکل دہری ہو گئی، اور ٹکرا کر گرنے سے عابد کا جبڑا ٹوٹ گیا۔ طالب بھائی اسے مقامی ڈاکٹر کے پاس لے گئے تو اس نے کہا کہ یہ دندان ساز کا کیس ہے۔ دندان ساز نے عابد کے

نچلے جبڑے کو ملنے سے روکنے کے لیے اوپر کے جبڑے کے ساتھ کس کے باندھ دیا۔ اب چھ ہفتے کے لیے نہ منہ کھولنا تھا اور نہ کچھ کھانا تھا۔ بس ایک اسٹرا (straw) کی مدد سے ہر غذا مائع صورت میں لینی تھی۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ منہ میں اسٹرا رکھنے کی جگہ ہو، تو بچپن میں ٹوٹا ہوا یہ دانت اس وقت پھر کام آیا۔ بعد میں یہ خلا، مصنوعی دانت سے بھر لیا گیا تھا۔

بچپن میں عابد کو یہ پسند نہیں تھا کہ اس کے جوتے یا کپڑے کوئی اور پہن لے۔ ایک دن کیا ہوا کہ کہیں جانے کے لیے خالد نے اس کی نیکر پہن لی۔ ابھی وہ گلی میں چند قدم ہی چلا ہو گا کہ عابد اس کے پیچھے بھاگا، اور کہا کہ ابھی اتارو۔ اس گلی میں ہمارے ایک ماموں بھی رہتے تھے، یہ سب ان کے گھر کے باہر ہو رہا تھا۔ وہ انھیں لڑتا دیکھ کر باہر نکلے اور مشکل سے مسئلہ حل کرایا۔

لاہور میں جب تک تھا، وہ شاید پکا نمازی نہیں تھا، لیکن امریکا جا کر، شکر ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے نکلا جن کا دیار مغرب میں ایمان بڑھ کر مضبوط ہو جاتا ہے۔

اس کی آواز خوب صورت تھی، قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ خود ہی حفظ کر رکھا تھا۔ قرآن یاد کرنے کے ساتھ اس کا ایک دل چسپ واقعہ وابستہ ہے۔ ہمارے محلے سے دور ایک اہل حدیث کی مسجد تھی۔ علاقے میں اہل حدیث کم ہونے کی وجہ سے وہاں کم ہی لوگ نماز پڑھتے تھے، لیکن ہم اہل حدیث نہ ہونے کے باوجود اس مسجد میں وقتاً فوقتاً چلے جاتے تھے۔ رمضان کے دن تھے۔ عابد اور میرے دوسرے بھائی، ایک دن تراویح کے لیے وہاں چلے گئے۔ وہاں تراویح کے امام صاحب کسی وجہ سے نہ آسکے۔ لوگوں نے نمازیوں سے پوچھا کہ کسی کو قرآن یاد ہو تو وہ تراویح پڑھا دے۔ عابد نے سورۂ بقرہ نئی نئی یاد کی تھی۔ اس نے تراویح پڑھانے کی حامی بھر لی۔

تراویح پڑھانے کے لیے کھڑا ہوا تو قرآن پڑھتا چلا گیا۔ اسے شاید خود یاد کرنے کی وجہ سے کہیں رکنا سمجھ نہیں آرہا تھا۔ پڑھتا گیا، پانچ منٹ، دس منٹ، پندرہ منٹ رکوع ہی نہیں آرہا تھا۔ لوگ پیچھے سبحان اللہ، سبحان اللہ پکارنے لگے، تب اس نے کہیں رکوع کیا، شاید بیس پچیس منٹ کی تلاوت کے بعد۔

ہمارے کچھ بھائی شعر گنگناتے رہتے ہیں۔ غالب اور اقبال ہمارے گھر کے مقبول ترین شعرا ہیں، ایسا ہی عابد کا معمول تھا، لیکن صبح صبح اس کی عادت تھی کہ وہ ایک نعت کا مصرع دفتر کی تیاری کے دوران میں لحن سے پڑھتا تھا: ریاض جنہ میں پہنچے تو جنتیں دیکھیں۔

طالب اور زاہد شاعری کا شوق رکھتے تھے، وہ اشعار اور نظمیں کہتے اور بعض اشعار ہم بھائیوں پر چسپاں بھی

کر دیتے تھے۔عابد پر بھی ایک نظم چسپاں کی گئی تھی:

عابد سیٹھ سڑک پر لیٹ
گاڑی آئی پھِس گیا پیٹ
گاڑی کا نمبر ایٹی ایٹ

ابھی مرض الموت میں، میں نے اسے وٹس ایپ پر یہ نظم بھیجی، لیکن میں آخری شعر بھول گیا ہوا تھا تو اس نے یہ آخری شعر خود مجھے یاد دلایا، بچپن میں وہ اس نظم پر چڑتا تھا، لیکن اب کے اس نے خود اسے مکمل کیا تھا۔

طالب علمی کے زمانے میں میری اور اس کی عادت تھی کہ ریاضی کے علاوہ بھی ہم سبق لکھ لکھ کر سمجھتے تھے۔[۳] کاغذ کی کم یابی کا اس نے ایک حل نکالا تھا، وہ یہ کہ کمرے کے دروازے کی اندرونی طرف کو بلیک بورڈ کی طرح استعمال کر لیتا تھا، اور چاک سے سارا سبق لکھ کر سمجھتا تھا۔ کمپیوٹر پروگراموں کے کوڈز بھی وہ ابتدائی صورت میں اسی دروازے پر لکھتا اور پھر انھیں نوٹ بک میں اتار لیتا تھا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

بچپن میں ہمارے گھر میں جوڑیاں بنی ہوئی تھیں: طالب و خالد، زاہد و امجد اور ساجد و عابد۔ یہ جوڑے اکثر کاموں، کھیلوں، سودا سلف لانے اور دیگر سرگرمیوں میں اکٹھے دکھائی دیتے تھے۔ عابد اور میں اسکول فیلو بھی تھے۔اس کا اور میرا ایک یا دو کلاسز کا فرق تھا، اس لیے زیادہ تر ہم ایک ہی اسکول میں پڑھتے رہے۔

ہم گورنمنٹ اسکولوں میں پڑھے ہیں۔ جب میں نویں کلاس میں آیا تو ہمارے ایک استاد نے ٹیسٹ پیپرز خریدنے کا حکم دیا۔ ٹیسٹ پیپرز ایک کتاب ہوتی تھی جس میں پوری کتاب کے ابواب میں سے اہم سوالات جوابات سمیت لکھے ہوتے تھے۔ یہ بورڈ کے امتحان میں اچھے نمبر لینے کے لیے استعمال ہوتے تھے اور چنیدہ تیاری (selective study) کا ایک طریقہ تھا، پوری کتاب پڑھنی نہیں پڑتی تھیں۔اسکول میں ٹیسٹ پیپرز لگتے تھے، مگر میری والدہ اور والد ٹیسٹ پیپرز کے بہت خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے مضمون پر گرفت اچھی نہیں ہوتی۔ بہر حال والد صاحب نے ٹیسٹ پیپرز لے کر دینے سے انکار کر دیا۔

اسکول میں یہ مطالبہ بڑھتا گیا۔ پھر ایک دن کلاس ٹیچر نے اعلان کیا کہ میں کل ٹیسٹ پیپرز چیک کروں گا، جس کے پاس نہیں ہوں گے، اسے دس ڈنڈے پڑیں گے۔ میں نے اور عابد نے مار سے بچنے کا ایک حل سوچا۔ وہ یہ کہ ہم کل اسکول نہیں جائیں گے، لیکن سوچ بچار کے باوجود کوئی وجہ چھٹی کرنے کی بن نہ پائی تو پھر یہ سوچا گیا کہ

۳۔ یعنی اگر کسی بات کو آپ سمجھ کر اپنے لفظوں میں بیان کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ وہ بات سمجھ گئے ہیں۔

گھر سے اسکول کو نکلیں گے، لیکن اسکول کے بجاے کہیں اور چلے جائیں گے۔ ہم گھر سے نکلے تو دِلی دروازہ لاہور اور ریلوے ٹریک والے دوموریہ پل کے درمیان میں ایک چھوٹا سا پارک ہوتا تھا، وہاں اسکول کا وقت گزارنے کے لیے چلے گئے۔ شومئ تقدیر دیکھیے کہ والد صاحب کے کسی جاننے والے نے ہمیں وہاں دیکھ لیا۔ اس نے ہمیں تو کچھ نہیں کہا، مگر والد صاحب کے کلینک پر جا کر انھیں بتا دیا کہ آپ کے دو بچے اسکول کے بستے لیے اس پارک میں موجود ہیں۔

اِدھر، خدا خدا کر کے وقت گزرا، ہم گھر پہنچے تو والد صاحب کو اپنی گوشمالی کے لیے موجود پایا۔ خوب خاطر مدارت ہوئی۔ تقدیر کا لکھا ایسا تھا کہ اگلے دن ہم اسکول گئے تو معلوم ہوا کہ کل ٹیسٹ پیپرز چیک نہیں ہوئے آج ہوں گے۔ چنانچہ تقدیر کی کتاب میں جو لکھا تھا، پورا ہو کر رہا۔

عابد پاکپتن میں پیدا ہوا تھا: پیر قریاں میں۔ ایک ڈیڑھ برس اسکول میں بھی وہیں پڑھا، پھر ہم لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ بڑے بھائی طالب صاحب نے میٹرک کر لیا تھا تو ان کی اگلی تعلیم کے لیے لاہور آنا پڑا تھا۔ عابد پاکپتن میں دنیا میں آیا، لاہور میں پلا بڑھا اور امریکا میں سات سمندر پار دنیا سے رخصت ہوا۔ لوگ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، مگر دنیا کا نظام نہیں رکتا۔ یہ دنیا کی تلخ حقیقت ہے۔ غالب نے اسی پر کہا تھا:

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روییے زار زار کیا! کیجیے ہائے ہائے کیوں!

کمپیوٹر سافٹ ویئر میں وہ بہت کامیاب تھا، مگر بعض مکینکل چیزوں میں بھی اس کی دل چسپی تھی۔ آخری برسوں میں وہ پاکستان کی مدد کے جذبے سے سستی بجلی بنانے کے تجربات کرتا رہا۔ جس میں اس نے ہم بھائیوں کو بھی شامل کیا، مگر ہماری مصروفیات اور اس کے مرض ناہنجار کی وجہ سے وہ منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔

خداے رحیم سے درخواست ہے کہ اس کے گناہوں سے درگذر فرمائے، اس کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور اسے خاص اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اس کی تکالیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنائے۔ آمین۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified
ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810